ماہنامہ

جہانِ رضا

لاہور

مجلس رضا
مرکزی
MARKAZI MAJLIS-E-REZA

بیاد الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی

جنوری 2017ء ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہٗ کے افکار کا حقیقی و تحقیقی ترجمان

ماہنامہ جہانِ رضا لاہور

(اشاعت خاص)

بانی مجلس رضا: حکیم اہلسنّت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

بانی ماہنامہ: حضرت پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

ایڈیٹر: محمد منیر رضا قادری رضوی عفی عنہ

جلد۲۵ ؍جنوری ۲۰۱۷ء/ ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ شمارہ ۲۳۴

قیمت فی شمارہ:-/30 روپے سالانہ چندہ-/400 روپے

مرکزی مجلس رضا

خط و کتابت اور ترسیل زر اور ملنے کا پتا:

مسلم کتابوی، گنج بخش روڈ' دربار مارکیٹ' لاہور

Email:muslimkitabevi@gmail.com, 042-37225605, 0321-4477511

مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ' لاہور 0333-4701081

امام اعظم ابوحنیفہ کے اجتہادی مسائل
اور آپ کی حیات کے کچھ گوشے

مفتی بدر عالم مصباحی

سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت درحقیقت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کی مصداق تھی۔ (گل ست سعدی در دشمناں خارست)

ہم ذیل میں آپ کے علمی کمالات، پھر آپ سے اپنوں کے ہی حسد اور پھر آپ کے صبر وتحمل کا کچھ حال بیان کرتے ہیں تاکہ یہ واضح ہوسکے کہ آپ کے فقہی مسائل بھی ہمارے لئے قابلِ تقلید ہیں اور آپ کی زندگی اور آپ کا صبر وتحمل بھی ہمارے لئے قابلِ تقلید ہے۔

امام اعظم اپنے اقران میں

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اپنے خداداد علمی کمالات ومحاسن کی بنیاد پر اپنے اقران میں نمایاں مقام پر فائز تھے، متعدد جہات سے امتیازی شان رکھتے تھے۔ آپ ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جس کے خیر ہونے کی شہادت خیر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ آپ کو صحابۂ کرام کی ایک جماعت سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ تابعین عظام کے مبارک دور ہی میں اجتہاد وافتا کے منصب جلیل پر فائز ہوئے۔ فقہاء ومجتہدین کی کثیر تعداد نے آپ سے استفادہ کیا۔ فقہ اسلامی کا مدونِ اول ہونے کا اعزاز آپ کو حاصل ہوا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"من أراد أن يتبحر فى الفقه فهو عيال أبى حنيفة رحمه الله تعالى."

جو شخص فقہ میں کمال حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا عیال

ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے امام مالک سے پوچھا: آپ نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا ہے؟ فرمایا: ہاں! ان کو میں نے ایسا پایا کہ اگر تم سے اس ستون کو سونے ہونے کا فرماتے تو اس کو دلیل سے ثابت کر دیتے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ امام مالک کے پاس تشریف لے گئے تو امام مالک نے آپ کا بہت اعزاز واکرام فرمایا، جب آپ وہاں سے واپس ہوئے تو امام مالک نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا: تم لوگ جانتے ہو، یہ کون ہیں؟ حاضرین نے کہا: نہیں۔ فرمایا: یہ ابوحنیفہ ہیں، اگر وہ اس ستون کو سونے کا کہہ دیتے تو یہ ستون سونے ہی کا ثابت کر دیتے۔

حضرت سفیان ثوری سے متعلق منقول ہے کہ کسی نے ان سے کہا کہ میں آج امام ابو حنیفہ کے پاس سے آرہا ہوں۔ سفیان ثوری نے کہا: قسم ہے تم روئے زمین پر سب سے زیادہ فقیہ کے پاس سے آرہے ہو۔ پھر فرمایا: جو شخص امام ابوحنیفہ کا خلاف کرے اس کو چاہئے کہ امام صاحب سے بلند مرتبہ ہو اور ایسا ہونا دشوار ہے۔

ایک مرتبہ حضرت امام اعظم اور حضرت سفیان ثوری دونوں حج کیلئے تشریف لے گئے تو منظر یہ تھا کہ حضرت سفیان ثوری امام اعظم کو ہمیشہ اپنے سے آگے رکھتے اور خود برابر پیچھے چلتے اور جب کوئی شخص مسئلہ پوچھتا تو سفیان ثوری جواب نہ دیتے، بلکہ امام صاحب ہی جواب دیتے۔

یحییٰ بن سعید قطان ناقدین احادیث میں بلند پایہ مقام رکھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کی رائے امام ابوحنیفہ کی رائے سے بہتر نہ پائی۔

مسعر بن کدام سے لوگوں نے کہا کہ آپ دوسرے فقہاء مجتہدین کی رائے کے مقابل امام ابوحنیفہ کی رائے کو کیوں ترجیح دیتے ہیں، فرمایا: میں نے بارہا ان کی رائے کو صحیح پایا۔ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہ پایا۔

امام اعمش سے کسی مسئلہ سے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: اس کا جواب اچھی

طرح امام ابوحنیفہ ہی دے سکتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے علم میں برکت عطا فرمائی ہے۔

حافظ الاحادیث یحییٰ بن معین نے فرمایا: میرے نزدیک امام ابوحنیفہ کی فقہ حقیقت میں فقہ ہے، وہ روایتِ حدیث میں ثقہ ہیں، ان کو کسی نے بھی ضعیف نہیں کہا۔

امام اعظم کی ذہانت وفراست

قاضی شریک فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ اکثر وبیشتر خاموش رہتے، غور وفکر میں ڈوبے رہتے، فقہ اسلامی میں آپ کی نظر بہت باریک تھی، فقہ کے اہم اساسی مسائل کا استخراج فرمایا، جن سے بعد کے فقہاء نے ہزاروں مسائل اخذ فرمائے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: امام اعظم ابوحنیفہ سے زیادہ عقل مند ان کے زمانے میں کوئی پیدا نہ ہوا۔ بکر بن جیش کہتے ہیں: امام اعظم ابوحنیفہ کی شخصیت ان کے زمانے میں ایسی تھی ایک طرف امام اعظم کی عقل دوسری طرف ان کے تمام اہل زمانہ کی عقل پر بھاری تھی۔ اسی طرح کی بات امام علی بن عاصم نے بھی کہی کہ اگر امام اعظم ابوحنیفہ کی عقل ترازو کے ایک پلڑے میں رکھی جائے اور دوسرے پلڑے میں پورے روئے زمین والوں کی عقل تو امام اعظم ابو حنیفہ کی عقل کا پلڑا بھاری ہوگا۔

امام اعظم اور مشکل سوالوں کے جوابات

امام اعظم ابوحنیفہ اپنے اقران میں علم وفضل میں غایت درجہ ممتاز تھے۔ مشکل سوالات کے جوابات میں آپ کی نظیر نہ تھی...... ایک موقع پر ایک شخص آپ کے پاس آیا اور ایک استفتا پیش کیا:

کیا فرماتے ہیں آپ اس شخص کے بارے میں جو نہ جنت کا امیدوار ہے، نہ دوزخ سے ڈرتا ہے نہ پروردگار سے۔ اور مردار کھاتا ہے، بے رکوع وسجود نماز پڑھتا ہے، بن دیکھی بات پر گواہی دیتا ہے، سچی بات کو ناپسند کرتا ہے، فتنہ کو پسند کرتا ہے، رحمت سے بھاگتا ہے، یہود ونصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے۔

امام اعظم نے سب سے پہلے اس سے کہا: کیا تمہیں ایسا کوئی شخص نظر آیا۔ اس نے کہا: نہیں، مگر میں ایسے شخص کو بہت برا جانتا ہوں۔ حضرت امام اعظم نے بارگاہ میں حاضر اپنے تلامذہ سے پوچھا: تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟ سب نے کہا: ایسا شخص بہت برا ہوگا۔ حضرت امام اعظم نے تبسم فرمایا اور ایک خوبصورت اطمینان بخش جواب عنایت فرمایا، آپ نے فرمایا: وہ شخص برا نہیں اس لئے کہ وہ جنت کا امیدوار نہیں بلکہ مالک جنت کا امیدوار ہے۔ اسی طرح وہ دوزخ سے نہیں ڈرتا بلکہ مالک دوزخ سے ڈرتا ہے۔ وہ مردار ''مچھلی'' کھاتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں، بے رکوع وسجود ''نماز جنازہ'' پڑھتا ہے، بن دیکھی بات پر گواہی کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کی گواہی دیتا ہے، موت برحق ہے وہ اسے ناپسند کرتا ہے اور مال واولاد فتنہ ہیں ان کو وہ دوست رکھتا ہے۔ یہود ونصاریٰ بارش کو رحمت مانتے ہیں، وہ اس میں ان کی تصدیق کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نے ایک بار حضرت امام اعظم کی بارگاہ میں ایک سوال رکھا کہ ایک شخص گوشت کی ہانڈی پکار ہا تھا، ہانڈی کھلی تھی، اس میں ایک پرندہ گر کر مرگیا تو پوری ہانڈی کے بارے میں کیا حکم ہے...... حضرت امام اعظم نے حاضرین علماء سے جواب مانگا، سب نے کہا: شوربا اور پرندہ بہا دیں اور گوشت کو دھو کر مصرف میں لائیں۔ امام اعظم نے کہا: جواب صحیح ہے، لیکن اگر ہانڈی جوش مار رہی تھی اس وقت گر کر مرا تو شوربے کے ساتھ گوشت بھی پھینک دیا جائے گا۔ ابن مبارک نے پوچھا: کیوں؟ فرمایا: اس لئے کہ اس وقت پرندہ کی نجاست گوشت کے اندر تک پہنچ جائے گی۔ ابن مبارک اور حاضرین کو جواب بہت پسند آیا۔

حضرت امام اعظم کی بارگاہ میں ایک شخص پہنچا اور کہا: میں نے قسم کھالی ہے کہ میں اپنی بیوی سے کلام نہ کروں گا یہاں تک کہ وہ مجھ سے کلام کرے اور میری بیوی نے بھی قسم کھا رکھی ہے وہ مجھ سے بات نہ کرے گی، یہاں تک کہ میں اس سے بات کروں۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ تم دونوں میں سے کوئی بھی حانث نہیں۔ حضرت سفیان ثوری نے جب یہ جواب دیا تو ناراضگی کا اظہار فرمایا اور امام اعظم کے پاس پہنچے اور کہا: آپ نے یہ جواب کیسے

دے دیا، حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ مرد کے قسم کھانے کے بعد جب عورت نے مرد سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں تم سے بات نہ کروں گی جب تک مجھ سے بات نہ کرو تو مرد کی قسم تمام ہوگئی اور مرد اس سے بات کرے گا تو حانث نہ ہوگا اور مرد جب اس سے بات کرلے گا تو عورت کی قسم تمام ہو جائے گی، پھر عورت بھی حانث نہ ہوگی۔ حضرت ابوسفیان کو جواب بہت پسند آیا اور فرمایا: آپ کیلئے ایسے علوم کھولے جاتے ہیں، جن سے ہم لوگ غافل ہیں۔

حضرت امام اعظم کے پڑوسی کا مور چوری ہو گیا۔ مور کے مالک نے حضرت امام اعظم کی بارگاہ میں عریضہ پیش کیا۔ آپ نے اس سے فرمایا: تو خاموش رہ اور مسجد میں چل۔ جب سب لوگ مسجد میں حاضر آ گئے تو آپ نے فرمایا کہ وہ شخص کتنا بے شرم ہے جو اپنے پڑوسی کا مور چراتا ہے، پھر مسجد میں آکر نماز پڑھتا ہے، حالانکہ اس کے پر کا اثر اس کے سر پر ہوتا ہے، بس فوراً ایک شخص نے اپنا سر ٹٹولا۔ امام اعظم نے فرمایا: اے شخص! تو ہی چور ہے، اس کا مور واپس کردے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ میں اس طرح کی بے شمار خصوصیات تھیں جو بلاشبہ باری تعالیٰ کی خاص عطیات تھیں۔ حضرت امام اعظم کے امتیازی محاسن و کمالات نے ان کو اپنے اقران بلکہ اکابر میں حد درجہ محسود بنا رکھا تھا اور حسد کی آگ انسان کو حد درجہ جری اور بے باک بنا دیتی ہے۔ حضرت امام اعظم کے حاسدین اس حد تک پہنچ گئے کہ آپ کی شکایت لے کر نواسۂ رسول حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور وہ کہہ ڈالا جس کا تعلق حقیقت سے دور دور تک نہیں۔ یہ سچ ہے کہ حسد انسان کو حقائق سے صرف نظر کا خوگر بنا دیتا ہے۔

حاسدینِ امام اعظم نے حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے کہہ ڈالا کہ ابوحنیفہ آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ رسول کو چھوڑ کر اپنی رائے و قیاس سے مسائل اسلامیہ حل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس پر ایک نیک دل مسلمان وہ بھی نواسۂ رسول کو غصہ آنا فطری امر تھا۔

ایک مرتبہ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے حضرت امام اعظم کی ملاقات مدینہ منورہ میں ہوگئی۔ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کو شکایات مل چکی تھیں۔ حضرت امام اعظم سے

مخاطب ہو کر فرمایا: آپ ہی وہ ابوحنیفہ ہیں جس نے میرے نانا جان کے دین میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کو پس پشت ڈال کر اپنی رائے و قیاس سے مسائل اخذ کئے ہیں۔

حضرت امام اعظم نے نہایت ہی صبر و تحمل کے ساتھ ادب و احترام کے دائرے میں رہ کر عرض کرنا شروع کیا:

حضور والا آپ کیا فرماتے ہیں، عورت صنف نازک ہے یا مرد۔ حضرت امام باقر نے فرمایا: عورت۔ پھر حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ ترکہ میں عورت کا حصہ کتنا ہے اور مرد کا کتنا؟ حضرت امام باقر نے فرمایا: مرد کے دو حصے اور عورت کا ایک حصہ تو حضرت امام اعظم نے کہا: اگر میں اپنی رائے و قیاس سے کام لیتا تو مرد کیلئے ایک حصہ کی بات کرتا اور عورت کے صنف نازک ہونے کی وجہ سے دو حصوں کی بات کرتا۔

پھر حضرت امام اعظم نے عرض کیا کہ حضور ارشاد فرمائیں کہ نماز افضل ہے یا روزہ۔ حضرت امام باقر نے فرمایا کہ نماز افضل ہے۔ اس پر امام صاحب نے فرمایا: اگر میں قیاس سے کام لیتا تو ایام حیض میں عورتوں کیلئے نمازوں کی قضا کا حکم دیتا، نہ کہ روزوں کی قضا کا۔ اس لئے کہ نماز روزے سے افضل ہے حالانکہ میں بھی روزوں کی ہی قضا کا حکم دیتا ہوں۔

حضرت امام اعظم نے عرض کی: منی کی نجاست زیادہ ہے یا پیشاب کی؟ حضرت امام باقر نے فرمایا: پیشاب کی نجاست زیادہ ہے۔ اس پر امام صاحب نے کہا: حضور اگر میں قیاس سے کام لیتا تو منی کے بجائے پیشاب کے خروج پر غسل کا حکم دیتا اور منی کے خروج سے صرف وضو کا حکم دیتا، مگر میں نے اس کے خلاف حکم دیا ہے۔

اس طرح بہت سے مسائل ہیں کہ اگر حضرت امام اعظم اپنی رائے و قیاس سے حکم فرماتے تو حکم برعکس ہوتا، لیکن حضرت امام اعظم کا مذہب تو یہ تھا کہ ضعیف حدیث بھی قیاس سے برتر ہے۔ استنباطِ مسائل میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے قرآن کی آیات میں غور فرماتے، پھر سننِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر توجہ مرکوز فرماتے، پھر اقوال صحابہ پر، اس کے بعد اپنی ایسی رائے کو ملحوظ رکھتے جو انہی تینوں میں سے کسی سے ماخوذ ہو۔

کتاب و سنت سے استدلال و تمسک کے اس قدر اہتمام کے باوجود حاسدین زمانہ

نے انہیں نہ بخشا اور انہیں طرح طرح سے طعن وتنقید کا نشانہ بناتے رہے۔ غلامانِ امامِ اعظم کو بھی امام اعظم کا صدقہ ملتا رہتا ہے اور کیوں نہ ملے کہ حاسدین سے بھی دنیا کبھی خالی نہ رہی۔ آج آپ کے پیروکار کچھ ایسے ہی حالات سے دوچار ہیں۔

ایک موقع پر حضرت امامِ اعظم کی بارگاہ میں حضرت وکیع حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضرت والا متفکر سر جھکائے بیٹھے ہیں کچھ دیر کے بعد متوجہ ہوئے تو فرمایا کہ وکیع آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟ وکیع بولے: امام قاضی شریک کے یہاں سے۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا

ان يحسدوني فاني غير لائمهم
قبل من الناس من أهل الفضل قد حسدوا
فدام لي ولهم مابي ومابهم
ومات اكثرنا غيظا بما يجد

ترجمہ: مجھ سے لوگ حسد کریں، میں تو انہیں ملامت نہیں کرتا، مجھ سے پہلے بھی اہلِ فضل وکمال سے حسد کیا گیا ہے۔

میرے لئے ہمیشہ یہی رہا کہ ملامت نہ کروں اور ان کیلئے یہ رہا کہ وہ حسد کریں اور ہم میں سے بہت سے لوگ مارے غصہ کے مر گئے۔

اہلِ علم کو اپنے امام سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کو سامنے رکھ کر تحقیقِ حق کا سلسلہ برابر قائم رکھنا چاہئے، نہ کہ حاسدین کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر اپنی دینی وفقہی تحقیقات سے الگ ہونا چاہئے۔ حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ہم سب کیلئے درسِ عبرت ہے کہ:

(میرے نزدیک ہر مخالفت کا جواب کام ہے، جب مخالفت زیادہ ہوتی ہے تو میں کام کی مشین تیز کر دیتا ہوں)

☆☆☆

ہمارے سرکار حضورِ غوثِ پاک رحمۃ اللہ علیہ

فائق بدایونی

نام	عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ
والد کا نام	سید ابوصالح جنگی دوست رحمۃ اللہ علیہ
والدہ کا نام	فاطمہ کنیت ام الخیر رحمۃ اللہ علیہا
نانا جنہوں نے کفالت فرمائی	سید عبداللہ صومی رحمۃ اللہ علیہ
پدری شجرہ	حسنی
مادری شجرہ	حسینی
طریقتی شجرہ	شیخ حماد دباس رحمۃ اللہ علیہ تا خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ
توطن	جدی مکہ مدینہ + بعدہٗ جیلان (گیلان)
سنہ ولادت	۴۷۰ھ (عشق = ۱۰۰+۳۰۰+۷۰)
سنہ وفات	۵۶۱ھ (کمال عشق = ۴۷۰+۳۰+۱+۴۰+۲۰)
ابتدائی تعلیم	گیلان
اعلیٰ تعلیم	بغداد
شرعی مسلک	حنبلی
طریقتی منصب	سردار الاولیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بہ قدم۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا قدم تمام اولیاء کی گردن پر
خصوصی القاب	غوث الاعظم، محی الدین، سلطان الفقر رحمۃ اللہ علیہ
اویسی نسبت	حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے
معروف ترین تصانیف	(۱) غنیۃ الطالبین، (۲) فتوح الغیب (۳) فتح الربانی والفیض الرحمانی

معروف قصائد	قصیدۂ غوثیہ......قصیدۂ روحی
معروف درود	درود اکسیر اعظم......درود غوثیہ
دیوان (شاعری)	فارسی (مطبوعہ) عربی (مطبوعہ)
تفسیر قرآن حکیم	چھ جلدوں میں (طباعت حالیہ)
تعداد صاحبزادگان	گیارہ (نام معروف) شادیاں چار
مزارِ شریف	بغداد شریف مرجعِ خلائق ہے

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے عہد کے خلفائے بغداد

۴۶۷ھ تا ۴۸۷ھ مقتدی بامر اللہ

۴۸۷ھ تا ۵۱۲ھ مستظهر باللہ

۵۱۲ھ تا ۵۲۹ھ مسترشد باللہ

۵۲۹ھ تا ۵۳۰ھ راشد باللہ

۵۳۰ھ تا ۵۵۵ھ مقتفی لامر اللہ

۵۵۵ھ تا ۵۶۶ھ مستنجد باللہ

راقم نے اس فارسی منقبت پر اردو مصرعوں سے تضمین کی ہے۔ ملاحظہ کیجئے اور راقم کیلئے دعا فرمائیے کہ اس منقبت کا مقطع ہی تحریر ہذا کا مقطع ہے۔

تضمین از فائق بدایونی بر منقبتِ غوثیہ از اکرام اللہ محشر بدایونی (۱۷۳۲ء)

صفحہ ۶۲ پر ملاحظہ فرمائیں

امام اہلسنّت سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار پر اعتراض

اور اس کا جواب

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ

جناب قبلہ مفتی صاحب السلام علیکم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی تصنیف حدائق دوم ص ۷ میں فرماتے ہیں۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی تعریف میں

ولی کیا مرسل آئیں خود حضور آئیں
وہ تیری وعظ کی محفل ہے یا غوث

اس میں بتایا ہے کہ ولی و مرسل بلکہ خود حضور بھی وعظ سننے آتے ہیں آیا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات فرمائے ہیں یا نہیں۔ اسی حدائق بخشش کے ص ۷ پر کیا یہ بھی درج ہے۔ ''ملک کے کچھ بشر کچھ جن کے ہیں پیر: تو شیخ عالی و سافل ہے یا غوث۔''

اس میں بڑے پیر صاحب کا مرتبہ اس قدر بڑھایا ہے کہ ہر شخص کے پیر جدا ہیں بلکہ آنحضرت رحمۃ للعٰلمین سے بھی زیادہ بڑھایا ہے۔ مدائح اعلیٰ حضرت ص ۴۸ میں ہے۔ ''جب زبانیں سوکھ جائیں پیاس سے جام کوثر کا پلا احمد رضا'' یہاں اپنے پیر و مرشد کو آنحضرت کے برابر کر دیا۔ منکر نکیر کے سوال و جواب کے موقع پر مدائح میں درج ہے۔

نکیرین آ کے مرقد میں جو پوچھیں گے تو کس کا ہے
ادب سے سر جھکا کر لوں گا نام احمد رضا خاں کا

یہاں آنحضرت سے زیادہ اعلیٰ حضرت کو بڑھا دیا ہے۔ اس قسم کے بہت سے اشعار ہیں آیا یہ سب لکھے ہیں یا نہیں۔

پیر جماعت علی شاہ صاحب کے متعلق یہ شعر کس نے کہا ہے

سرکار علی پور بھی ہیں شاہِ مدینہ

اس میں سرکار علی پور کو حضور سے تشبیہ دی ہے یہ گستاخی ہے یا نہیں۔

یہ سوالات ایک کتاب میں درج ہیں۔

مکتوب وصایا شریف ص ۶، ۸، ۱۲ میں لکھا ہے۔ جب وصال کا وقت آیا اس سے دو گھنٹے، ۱ منٹ پیشتر اعلیٰ حضرت نے یہ کلمات قلمبند کرائے۔ اپنی خاص فاتحہ شریف کیلئے وصیت فرمائی۔ فہرست ملاحظہ ہو۔ (۱) دودھ کا برف خانہ ساز یعنی گھر کی بنی ہوئی آئس کریم اگر چہ بھینس کا دودھ ہو، بہتر گائے کا دودھ۔ (۲) مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ خواہ بکری کا ہو۔ شامی کباب، پراٹھے، بالائی، فیرینی، اُڑد کی پھریری، دال مع ادرک ولوازم، گوشت بھری کچوریاں، سیب کا پانی، انار کا پانی، سوڈے کی بوتل۔ آیا وصایا شریف میں یہ سب درج ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو ہم لوگ بھی حتی المقدور اس طرح سے کریں۔ یہ چند سوالات ہیں آیا کہاں تک صحیح اور کہاں تک غلط ہیں اور اگر ہیں تو ان کا صحیح مفہوم اور مطلب کیا ہے۔ حافظ سلطان علی پیش امام مسجد سرداری متصل جمنا ہوٹل کٹرہ عالم باغ لکھنؤ۔

الجواب

حدائق بخشش کے جو اشعار آپ نے نقل کئے ہیں وہ حدائق بخشش میں ہیں اور یہ دونوں اشعار بہجۃ الاسرار کے مضمون کا ترجمہ ہے۔ پہلا شعر

ولی کیا مرسل آئیں خود حضور آئیں　　وہ تیرے وعظ کی محفل ہے یا غوث

یہ شعر اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایک بار حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ وعظ فرما رہے تھے مجلس میں دس ہزار کا مجمع تھا اور شیخ علی بن ہیتی رضی اللہ عنہ (حضور کے مرید خاص) حضور کے سامنے بیٹھے تھے ان پر نیند کا غلبہ ہوا۔ حضور نے فرمایا: خاموش خاموش۔ لوگ اتنا خاموش ہوئے کہ سوائے سانسوں کے اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا حضور کرسی سے نیچے اترے اور علی بن ہیتی کے روبرو باادب کھڑے ہوگئے اور ان کی جانب دیکھنے لگے۔ جب علی بن ہیتی بیدار ہوئے تو حضور نے ان سے استفسار فرمایا: کیا تم نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو

دیکھا۔ انہوں نے عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: اسی وجہ سے میں مودب ہوگیا۔ حضور نے تم سے کیا فرمایا۔ عرض کی: حضور کی خدمت میں حاضری کا حکم فرمایا ہے۔ شیخ علی بن ہیتی نے فرمایا کہ جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا وہ حضور غوث پاک نے بیداری میں دیکھا۔ اس دن اس مجلس کے حاضرین میں سے سات آدمی فوت ہوگئے۔ بہجۃ الاسرار شریف ص ۲۶ میں یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ ہے۔ مسند محمد ثانہ منقول ہے۔ فرماتے ہیں:

اخبرنا الشيخ الشريعة الجليل ابو العباس احمد بن الشيخ ابى عبدالله محمد بن ابى الخنائم محمد الازهرى بن المفاخر محمد المختارى الحسنى النوار اوى بالقاهرة منذ ثلاث و سبعين وستماته قال اخبرنا ابى بل مشق سنة تسع و عشرين وستماته قال حضرت مجلس شيخنا الشيخ محى الدين عبدالقادر الجيلى رضى الله تعالىٰ عنه فى سنة خمس وستمائة فكان فى المجلس يومئذ نحو عشرة الافا رجل و كان الشيخ على بن الهيتى رضى الله تعالىٰ عنه جالسا تجاه الشيخ تحت المقرى فاخذته سنة فقال الشيخ للنامى امسكتوا فسكتوا حتى يقول القائل انه لا يسمع منهم الا انفاسهم ثم نزل من اعلى الكرسى ووقف بين يدى الشيخ متادباً وجعل يحدق اليه ثم استيقظ الشيخ على بن الهيتى فقال الشيخ ارايت النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى المنام فقال نعم قال من اجله تادبت قال فما اوصاك قال بملازمتك قال فسئل الشيخ على عن معنى قول الشيخ من اجله تادبت قال الذى رايته فى المنام راه هو فى اليقظة قال ومات ذلك اليوم سبعة رجال منهم من مات مكانه فى المجلس ومنهم من حمل الى داره مغيثا عليه ثم مات من يومه.

اگر اس شعر پر اعتراض کرنے والوں کا اعتراض صحیح ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیاء علیہم السلام کا کسی امتی کے مجلس وعظ میں آنا توہین ہے۔ اور اسے بیان کرنا توہین ہے تو بتایئے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ توہین نبی کے مرتکب ہوئے یا نہیں اور صاحب بہجۃ الاسرار علامہ نور الدین اور شیخ الشریعۃ ابو العباس احمد اور ان کے والد احمد بن الشیخ ابو عبداللہ اس واقعہ کو بیان کر کے توہین نبی کے مجرم ہوئے یا نہیں اور توہین نبی باتفاق امت کفر وارتداد ہے۔ تو پھر یہ لوگ کافر مرتد خارج از اسلام ہوئے یا نہیں اور جب حضور غوث پاک اور ان کے یہ جلیل القدر متوسلین و مریدین کافر مرتد ہوئے تو پھر دنیا میں کون مسلمان رہا۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیاء علیہم السلام کا کسی امتی کے گھر آنا یا ان کے وعظ کی محفل میں آنا توہین ہرگز ہرگز نہیں یہ خورد نوازی ہے جیسے ایک پیر مرید کے گھر آئے مرید کے وعظ کی محفل میں آئے جیسے ایک استاد اپنے شاگرد کے گھر آئے اس کے وعظ کی محفل میں آئے اسے کون شخص کہے گا کہ اس میں پیر یا استاد کی توہین ہے یہ بزرگوں کا کرم ہے جو چھوٹوں پر ہے۔ اسے توہین سمجھنا پرلے درجہ کی جہالت اور اعلیٰ درجے کی حماقت ہے۔ اچھا بالفرض حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی فرزند اپنے کسی نائب کے وعظ میں آئیں تو حضور کی توہین ہو اور اگر کوئی یہ کہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے مدرسے سے اردو سیکھی ہمارے پیر کے مہمانوں کا کھانا پکانے آئے تو اس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین بدرجہ اولیٰ ہوئی یا نہیں۔ دیکھئے براہین قاطعہ میں معترضین کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی نے یہ خواب گڑھا۔ ایک صالح نے فخر عالم کو خواب میں دیکھا حضور کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا حضور کو یہ کلام کہاں سے آ گئی۔ فرمایا جب سے علماء و فضلاء دیوبند سے معاملہ پڑا مجھے یہ کلام آ گئی۔ (تذکرۃ الرشید ص ۴۶) میں دوسرا خواب گڑھا۔ ایک دن اعلیٰ حضرت (حاجی امداد اللہ) نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی بھاوج آپ کے مہمانوں کا کھانا پکا رہی ہیں کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کی بھاوج سے فرمایا کہ ’’اٹھ تو اس قابل نہیں کہ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا پکائے اس کے مہمان علماء ہیں اس کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا۔‘‘ اعلیٰ حضرت

کی اس مبارک خواب کی تعبیر حضرت امام ربانی محدث گنگوہی قدس سرہٗ سے شروع ہوئی۔

اب آپ ان معترضین جہال و سفہاء الاحلام سے دریافت کریں کہ محض وعظ کی محفل میں آنا توہین ہے اور مولویوں کی روٹی پکانی اور ان کی شاگردی کوئی تعریف ہے۔

جنوں کا نام خرد رکھ لیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

غلاموں پر سرکار کے کرم فرمانے کا واقعہ ایک یہی نہیں سینکڑوں ہیں جو اولیاء کرام کے تذکروں میں جا بجا ملیں گے۔ تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہٗ نے وعظ بند فرما دیا۔ حضرت سری سقطی نے فرمایا کہ وعظ کرو مگر آپ نے مرشد کی موجودگی میں وعظ خلاف ادب جانا یہاں تک کہ خواب میں جمال جہاں آرائے سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ کا حکم فرمایا صبح کو اپنے شیخ کے گھر کی طرف چلے تو دروازے پر انہیں منتظر پایا۔ ارشاد ہوا میرا اور مشائخ بغداد کا کہا نہیں مانا تو اب سرکار کے حکم کی تعمیل کرو۔ میں نے خواب میں اللہ عزوجل کی زیارت کی فرمایا: میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جنید کے پاس بھیجا ہے کہ اسے وعظ کرنے کا حکم کریں۔ اسے کیا کہیں گے۔ المختصر اس شعر پر اعتراض جہالت سفاہت عناد و فساد ہے اور اپنی بدمذہبی پر پردہ ڈالنے کی ناپاک جدوجہد۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ملک کے کچھ بشر کچھ جن کے ہیں پیر
تو شیخ عالی و سافل ہے یا غوث

یہ شعر بھی خود حضور سیدنا غوث اعظم قدس سرہٗ کے ارشاد کا ترجمہ ہے بہجۃ الاسرار میں ہے: اخبرنا ابو علی الحسین بن نجم الدین بن عیسٰی بن محمد الحورانی بالقاهرة سنة ثلٰث سعبين و ستمائة قال اخبرنا الشيخ العارف ابو محمد على بن ادريس اليعقوبى بها سنة سبع عشرة وستمائة قال سمعت عبدالقادر يقول الانس لهم مشائخ والجن لهم مشائخ والملئكة لهم مشائخ وانا شيخ الكل۔ ترجمہ: ہمیں ابو علی الحسین بن نجم الدین بن عیسٰی بن محمد جورانی نے قاہرہ میں ۶۷۳ھ میں خبر دی۔ انہوں نے بتایا کہ ہمیں شیخ عارف ابو علی بن ادریس یعقوبی نے وہیں ۶۱۷ھ میں خبر دی انہوں نے کہا کہ میں نے عبدالقادر (غوث اعظم) کو

فرماتے ہوئے سنا کہ انسان کے کچھ شیخ ہیں اور جن کے کچھ شیخ ہیں اور فرشتوں کے کچھ شیخ
ہیں اور میں سب کا شیخ ہوں۔

علم ہوتا تو پتا ہوتا کہ یہ ارشاد خود جناب غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے اور اعتراض سے
کف لسان کرتے مگر بے علمی سے یہ خبر نہ تھی اور سمجھ بیٹھے کہ خود اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے
اپنی طرف سے شاعرانہ تخیل پیش فرمایا ہے اور جھٹ اعتراض کر دیا۔ اب معترض دیکھے کہ
اس نے جوش عداوت میں اعتراض تو اعلیٰ حضرت پر کیا تو توہین رسالت کا الزام اعلیٰ حضرت
کے سر دھرا مگر یہ اعتراض خود حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ پر ہوا

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر — اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

پھر اس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بڑھانا کیسے لازم کیا۔ زیادہ
بڑھانا تو بڑی بات ہے مساوات کیسے لازم آئی معترض کو اس کی توضیح لازم تھی۔ اور اگر
اندھے معترض کو یہ واہمہ شیخ عالی وسافل سے ہوا ہے اور اس نے اپنے زعم میں یہ سمجھ رکھا ہے
کہ اس تعمیم میں تمام صحابہ، تمام ملائکہ، تمام انبیاء داخل ہیں۔ تو یہ اس کی جہالت در جہالت
ہے کہ اس میں استغراق اور عموم کہاں ہے۔ جس کے معنی یہ ہوں کہ تمام عالی و تمام سافل سے
تمام اگلے پچھلے کے شیخ ہیں یہ لفظ اپنے مفہوم میں اس وقت بھی صادق ہے کہ ایک عالی کا فرد
اور ایک سافل کا فرد حضور کا مرید ہوتا۔ جیسے خود معترضین اپنے پیران پیر حاجی امداد اللہ کو شیخ
العرب والعجم لکھتے ہیں کیا اس کا مطلب ان کے ذہن میں یہ ہے کہ وہ...... تمام عرب اگلے
پچھلے تمام عجم اگلے پچھلے کے شیخ ہیں اگر یہ مطلب ہے تو پھر یہ کیوں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ
وسلم پر تفوق نہیں۔ یہاں خود معترض یہ کہیں گے کہ مراد بعض عرب اور بعض عجم کے شیخ
ہیں...... تو پھر یہی مراد اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے اس شعر میں کیوں نہ ہوگی۔ یہی نہیں بلکہ
محمود الحسن صدر مدرس مدرسہ دیوبند استاذ و پیر مولوی حسین احمد ٹانڈوی نے مولوی رشید احمد
گنگوہی کو ان کے مرثیہ کے سرورق پر لکھا ہے۔ ماویٰ جہاں مخدوم الکل مطاع العالم جناب
مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی۔ اور عاشق الٰہی میرٹھی نے تذکرۃ الرشید میں انہیں کو لکھا۔
امام ہمام قدوۃ الانام قطب العالم اور لکھا قدوۃ العلماء غوث الاعظم شیخ المشائخ یہاں امام اور
عالم اپنے مفہوم لغوی کے اعتبار سے ضرور ماسویٰ اللہ تمام انبیاء، ملائکہ، صحابہ، تابعین کو شامل

اور الف لام اس کے استغراق پر نص پھر معترضین بولیں کہ اس میں صراحۃً حضور سید المرسلین و
جمیع مرسلین کی توہین ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو پھر ان پر کیوں اعتراض نہیں یہاں خاموشی کیا
مجرمانہ خاموشی نہیں اور اگر اس کا...... ان مجرموں کے پاس کوئی جواب ہے تو بتائیں۔ اور یہ
بھی بتائیں کہ یہ جواب اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے شعر میں جاری ہوتا ہے یا نہیں۔ مدائح اعلیٰ
حضرت کے دو اشعار پر اعتراض بھی نری جہالت و سفاہت و مذہب اہلسنت سے بے خبری
ہے۔ ہم اہلسنت کا سلفاً عن خلف یہ عقیدہ کہ اولیاء کرام اپنے مریدین و متوسلین کی دنیا و
آخرت، قبر و حشر ہر جگہ مدد فرماتے ہیں۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی میزان الشریعۃ
الکبریٰ میں فرماتے ہیں: واذا کان مشائخ الصوفیۃ یلاحظون ابناء ھم و مریدھم
فی جمیع الاھوال والشدائد فی الدنیا والأخرۃ فکیف بائمۃ المذاھب
جب اولیاء پر ہول و سختی کے وقت اپنے پیروؤں اور مریدین کا دنیا و آخرت میں خیال رکھتے
ہیں تو ائمہ مذاہب کا کیا کہنا۔ نیز فرماتے: ان ائمۃ الفقھاء والصوفیۃ کلھم یشفعون
فی مقلبیھم ویلاحظ احدھم عند طلوع روحہ وعند سوال منکر و نکیرلہ
وعذاب القبر والحشر والحساب والمیزان والصراط ولا یفعلون عنھم
فی موقف من المواقف۔

بلاشبہ تمام پیشوا اولیاء عظام اپنے اپنے پیروؤں کی شفاعت کرتے ہیں اور جب ان
کے پیرو کی روح نکلتی ہے جب منکر نکیر اس سے سوال کرتے ہیں جب اس کا حشر ہوگا جب
اس کا نامۂ اعمال کھلے گا جب اس سے حساب لیا جائے گا جب اس کے اعمال تلتے ہیں جب
وہ صراط پر چلتا ہے ہر وقت ہر حال میں اس کی نگہبانی کرتے ہیں اصلاً کسی جگہ اس سے
غافل نہیں ہوتے۔ اسی سلسلہ کا ایک واقعہ بھی نقل فرمایا۔ جب ہمارے استاذ شیخ الاسلام امام
ناصر الدین لقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا بعض صالحین نے ان کو خواب میں دیکھا
پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا۔ فرمایا: جب منکر نکیر نے مجھے سوال کیلئے بٹھایا امام
مالک رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا: ایسا شخص بھی اس کی حاجت رکھتا ہے کہ اس سے
اللہ ورسول پر ایمان لانے کے بارے میں سوال کیا جائے الگ ہو جاؤ اس کے پاس سے وہ
فوراً چلے گئے۔ ان سب عبارات کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین اور اولیاء کرام دنیا و آخرت

میں تمام مواقع اور مشکلات میں اپنے مریدین ومتوسلین کی امداد فرماتے ہیں سکرات میں، قبر میں، حشر میں، حساب میزان، پل صراط ہر جگہ دستگیری فرماتے ہیں اسی کے پیش نظر شاعر نے وہ دونوں شعر عرض کئے ہیں اس میں حضور کی ہمسری یا حضور سے تشبیہ کیسے ہوگی اسی کے مثل بلکہ اس سے بڑھ کر خود وہابیوں نے اپنے پیشواؤں کے بارے میں لکھا ہے وہ بھی مدائح اعلیٰ حضرت کے مصنف کی طرح بے پڑھے لکھے عوام نہیں بلکہ ان کے پیشوا امام الہند مولوی محمود الحسن نے لکھا ہے سنیے

قبر سے اٹھ کے پکاروں جو رشید وقاسم — بوسہ دیں لب کو مرے مالک ورضواں دونوں

قبولیت اس کو کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں — عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

مسیحائے زماں پہنچا فلک پر چھوڑ کر سب کو
چھپا چاہِ لحد میں وائے قسمت ماہ کنعانی

وفات سرور عالم کا نقشہ آپ کی رحلت — تھی ہستی گر نظیر ہستی محبوب سبحانی

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم

پیر کے کالے کلوٹے غلاموں کو یوسف ثانی کہنا۔ پیر کو ماہ کنعانی لکھنا۔ پیر کی موت کو سرور عالم کی رحلت کا نقشہ لکھنا۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے پیر کی مسیحائی بڑھانا۔ قبر سے اٹھ کر نہ اللہ کا نام لیں نہ رسول کا صرف رشید وقاسم کہنے سے مالک ورضواں دونوں کا مقبول ہو جانا یہ کیا ہے اس میں انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے ہمسری اور ان پر تفوق نہیں۔ یہ بد دیانت معترضین کو نظر نہیں آتا۔ یہی نہیں بلکہ تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے: اثناء کتابت میں ایک صاحب دل دیندار شخص کا لفافہ پہنچا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری لکھی جارہی ہے اور ایک بزرگ نے اس کی تعبیر دی ہے کہ معلوم ہوتا ہے شریعت کے کسی کامل متبع کی سوانح کا اہتمام ہو رہا ہے پس مبارک ہو کہ یہ منامی بشارت تیرے ہاتھوں پوری ہورہی ہے۔ میں نے حق تعالیٰ کی اس رحمت پر شکر ادا کیا ص ۸ بولیے یہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری ہوئی کہ نہیں۔ ان لوگوں کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ دوسروں پر اعتراض کریں وہ اندھا دھند جس کا نہ سر نہ پیر۔ کہاں تو صرف اتنی گزارش کہ

میدان محشر میں اپنے اعلیٰ حضرت سے استعانت کروں گا۔ قبر میں دوہائی دوں گا۔ اور کہاں یہ ادعاء کہ میرے پیر ماہ کنعانی ہیں۔ میرے پیر حضرت عیسیٰ سے بڑھ کر مسیحا ہیں۔ ان کی رحلت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہے۔ پیر کی سوانح عمری حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح ہے۔ کیا ایسے لوگوں کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی کے اوپر اعتراض کریں۔ یہ مصرع: ''سرکار علی پور بھی ہے شاہ مدینہ'' ضرور قابل اعتراض ہے لیکن ہمیں نہیں معلوم یہ مصرع کس کا ہے۔ کسی کا ہے بھی یا وہابیہ نے افتراء کیا ہے بہر حال جس کا بھی ہو اس پر توبہ لازم ہے۔ وصایا شریف میں وہ وصیت مذکور ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو فقراء ومساکین سے جو محبت تھی اس کے پیش نظر یہ وصیت فرمائی۔ زندگی بھر غرباء پروری فرمائی۔ وصال کے وقت اپنے وارثین کو وصیت فرمادی کہ جیسے میں غرباء کو نوازا کرتا تھا تم بھی نوازنا یہ نہیں انہیں دھکے دینا معمولی کھانے دینا۔ بلکہ عمدہ سے عمدہ کھانے دینا۔ وارثین کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے جو محبت تھی اس پر اعتماد تھا تو یوں فرمادیا کہ میرے لئے جو ایصال ثواب کرو اور فقراء کو کھانا دو وہ یہ ہوں۔ ظاہر ہے بعد وصال ان کھانوں سے بڑھ بڑھ کر نہیں غذا ملے گی جس کے آگے دنیا کی یہ غذائیں ہیچ ہیں۔ نیز میت کو کھانا نہیں پہنچتا صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے اس لئے یہ وصیت ذاتی تلذذ کیلئے ہرگز ہرگز نہیں صرف فقراء ومساکین پر رحمت وعنایت ہے۔ جس سے ہو سکے ان اشیاء کا ایصال ثواب کرے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی رضا اور پھر اللہ عزوجل کی رضا کا موجب ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(یہ فتویٰ مبارکہ نوری کرن بریلی میں اکتوبر ۱۹۴۶ء کے شمارہ میں شائع ہوا)

کتبہ محمد شریف الحق امجدی خادم رضوی

دار الافتاء

بریلی شریف ۶؍ربیع الآخر ۸۴ھ

شرکت کا اسلامی تصوّر

صبا نور (پی ایچ ڈی اسکالر، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد، پاکستان)

خلاصہ: شرکت اجتماعی سرمایہ کاری کا قدیم طریقہ ہے اور قدرے سہل بھی جس میں کوئی ایک فرد نہیں بلکہ دو یا زائد افراد مل کر مشترکہ کاروبار کرتے ہیں اور نفع نقصان کی ذمہ داری بھی قبول کرتے ہیں۔ آیاتِ قرانیہ اور احادیث سے اس کے جواز کا ثبوت اور اس کی اہمیت وافادیت کا پتا چلتا ہے۔ عہدِ حاضر میں بھی شراکت کی بنیاد پر کئی کاروبار معرضِ وجود میں آچکے ہیں، نیز ان میں سے کئی ایک صورتیں ناجائز بھی ہیں جن میں سود کا بھی خدشہ ہے۔ مولانا احمد رضا نے شراکت کی اقسام پر بحث کی ہے نیز دورِ حاضر میں کاروبار کی جو ناجائز اشکال ہیں ان کے حل میں مولانا احمد رضا کی تحقیق سے مدد لی جاسکتی ہے۔

تمہید

مختلف شعبوں میں کاروبار کی مختلف شکلیں رائج ہیں۔ کاروبار سرمائے کی بنیاد پر ہوتا ہے ایک تن تنہا فرد کے پاس اتنی مقدار میں سرمایہ موجود ہو جس سے بآسانی کوئی کاروبار شروع کرلیا جائے۔ جہاں کوئی شخص اپنے سرمائے کی بنیاد پر اپنا ذاتی کاروبار کرسکتا ہے، اس میں کسی دوسرے کی مرضی کا دخل نہیں ہوگا بلکہ وہ خود ہی تنہا اپنے کاروبار کو چلائے گا۔ نفع ونقصان بھی اس کا ذاتی ہوگا۔ دوسری صورت میں مشترکہ کاروبار کرنے کی کئی ایک صورتیں ہوسکتی ہیں:

اولاً کاروبار بڑی نوعیت کا ہو جہاں چند افراد اپنے سرمائے سے کسی بڑے پراجیکٹ کو شروع کرلیں جو چند لوگوں کے انویسٹ کرنے سے شروع ہوتا ہو۔

ثانیاً سرمایہ قلیل ہو اور چند افراد مل کر مشترکہ سرمائے سے چھوٹی نوعیت کا کاروبار کریں۔

غرض کاروبار وسیع نوعیت کا ہو یا محدود، چند افراد مل کر کریں گے تو وہ شرکت کا معاہدہ کہلائے

گا۔

طریقہ کار

زیرِ نظر مقالے میں شرکت سے متعلق بنیادی معلومات فراہم کی گئی ہیں شرکت کے کاروبار سے متعلقہ وضاحت اور اس کاروبار کی نوعیت، شرکت کی اقسام، عصرِ حاضر میں اس کاروبار کی مروجہ شکلوں کو بیان کیا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کی اس کاروبار سے متعلق تحقیقات آپ کی معروف تصنیف ''العطایہ النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ'' میں موجود ہیں خاص طور پر شرکت ملک اور مشترکہ کاروبار سے متعلق مسائل بھی اس تصنیف میں بیان کیے گئے ہیں۔ پیش نظر تحقیق میں آپ کی ان تفصیلی تحقیقات کو موضوع نہیں بنایا گیا بلکہ اس مقالے میں شرکت کا بنیادی اور جزوی سا جائزہ مولانا احمد رضا کی پیش کی گئی تحقیقات کی روشنی میں لیا گیا ہے۔

تحدید

شرکت ایک وسیع موضوع ہے جس کو ایک مختصر مقالے میں مکمل طور پر پیش کرنا ممکن نہیں۔ "العطایا النبویة فی الفتاویٰ الرضویة" (مع تخریج وترجمہ عربی عبارات) میں شرکت سے متعلق پورا ایک باب موجود ہے۔ اسی طرح اس تصنیف کی دیگر جلدوں میں شراکت کے کاروبار کی شکلوں سے متعلق تحقیق بیان کی گئی ہے۔ پیش نظر مقالے میں شرکت کی تعریف اور اقسام سے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

مقاصدِ تحقیق

(۱) شرکت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اس کی وضاحت کرنا اور اس کی اقسام کو پیش کرنا۔

(۲) عہدِ حاضر میں شرکت کی مروّجہ صورتیں بیان کرنا۔

(۳) مولانا احمد رضا خاں کی پیش کی گئی تحقیق کا مختصر جائزہ پیش کرنا۔

شرکت کا لغوی واصطلاحی مفہوم

عربی زبان کا لفظ شرکۃ، کا مادہ ش۔ر۔ک ہے جو اپنی مختلف صورتوں کے ساتھ مختلف ملتے جلتے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ شرک (شریک بننا یا کسی کو اپنے کام میں شریک

کرنا)۔

اَلْمُشْتَرِک۔ وہ چیز جس میں دو یا کئی لوگوں کی شرکت ہو

اَلْمُشَارَکَۃ۔ باہم شریک ہونا اور ایک دوسرے کا حصے دار بننا۔

اَلشتِرَکَۃ: شریک ہونا۔

علامہ جرجانی نے شراکت کی تعریف یوں کی ہے: دو یا زیادہ حصّوں کا باہم اس طرح مخلوط ہو جانا کہ اس میں تمیز نہ ہو پھر اس کا اطلاق ایک عقد پر ہونے لگا بشرطیکہ اس میں دو حصے مخلوط نہ پائے جائیں۔

القاموس میں ہے دو افراد یا زیادہ لوگوں کے درمیان ایک مشترک کام کرنے کا معاملہ شراکت کہلاتا ہے۔

شراکت کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بھی چیز ایک سے زائد آدمیوں کی مشترکہ ملکیت ہو ان میں سے ہر ایک اس جبر کے چھوٹے سے چھوٹے حصے میں بھی حقِّ ملکیت رکھتا ہو۔ علما وفقہا شرکۃ سے ابتداء میں کوئی بھی مشترکہ ملکیت مراد لیتے ہیں؛ مثلاً وراثت، ہبہ، اس قسم کی ملکیت یا جائیداد کا کوئی حصے دار دوسرے حصے داروں کی منظوری ہی سے اپنے حصے سے متعلق کوئی کارروائی کرسکتا ہے۔ شرکت کی دوسری قسم وہ ادارہ یا کمپنی ہے، جس کی بنیاد باہمی معاہدے یعنی عرض وقبول پر ہو۔

ان سب تعریفوں کو سامنے رکھ کر شرکت کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے: دو افراد مل کر یا افراد کی ایک جماعت کا کسی کاروبار میں متعین سرمایوں کے ساتھ ایسا معاہدہ کرنا کہ سب مل کر کاروبار کریں گے اور کاروبار میں جو بھی نفع ونقصان ہوگا اس میں معین نسبتوں کیساتھ شریک ہوتے ہیں۔

قرآن کریم سے ثبوت

قرآنِ پاک سے بھی شرکت کا ثبوت ملتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ اور اگر انہیں تمہا و کاروبار میں اپنے ساتھ ملا لو تو وہ بھی

تمہارے بھائی ہیں۔

فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِی الثُّلُثِ اور اگر وہ بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔

وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَلِیْلٌ مَّا هُمْ ۔ اور بے شک اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِیْنَةِ فَلْیَنْظُرْ اَیُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْیَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَ لْیَتَلَطَّفْ وَ لَا یُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا

تم اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا یہ سکہ دے کر شہر کی طرف بھیجو پھر وہ دیکھے کہ کونسا کھانا زیادہ حلال اور پاکیزہ ہے تو اس میں سے کچھ کھانا تمہارے پاس لے آئے اور اسے چاہیے کہ آنے جانے اور خریدنے میں آہستگی اور نرمی سے کام لے اور کسی شخص کو (بھی) تمہاری خبر نہ ہونے دے۔

وَ اجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰرُوْنَ اَخِی اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ وَ اَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ اور میرے گھر والوں میں سے میرا ایک وزیر بنا دے وہ میرا بھائی ہارون (علیہ السلام) ہو اس سے میری کمرِ ہمت مضبوط فرما دے اور اسے میرے کارِ رسالت میں شریک فرما دے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ایسے غلام شخص کی جس کی ملکیت میں کئی ایسے لوگ شریک ہوں جو بد اخلاق بھی ہوں اور باہم جھگڑالو بھی اور دوسری طرف ایک ایسا شخص ہو جو صرف ایک ہی فرد کا غلام ہو۔ کیا یہ دونوں حالات کے لحاظ سے یکساں ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ساری تعریفیں خدا تعالیٰ کیلئے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ (حقیقتِ توحید کو) نہیں جانتے۔

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا

يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ اور جان لو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے پایا ہو تو اس کا پانچواں حصّہ اللہ کے لیے اور رسول اللہ (ﷺ) کے لیے اور رسول (ﷺ) کے قرابت داروں کے لیے ہے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لیے ہے اگر تم خدا پر اور اس وحی پر ایمان لائے ہو جو ہم نے اپنے (برگزیدہ) بندے پر حق و باطل کے درمیان فیصلے کے دن نازل فرمائی۔ وہ دِن جب میدانِ بدر میں مومنوں اور کافروں کے دونوں لشکر باہم مقابل ہوتے تھے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

احادیث سے ثبوت

شرکت کی مشروعیت احادیث سے بھی ثابت ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ایک دفعہ لوگوں پر فاقے کی نوبت آ گئی، قوم کے توشے ختم ہو گئے۔ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت مانگی۔ نبی ﷺ نے اجازت دے دی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم لوگ اونٹوں کے بعد زندہ کیسے رہو گے؟ پھر نبی ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یہ بات سن کر نبی ﷺ نے فرمایا: منادی کرا دو کہ سب لوگ اپنے بچے ہوئے توشے لائیں۔ اس کے لیے ایک چمڑے کا دسترخوان بچھایا گیا۔ لوگوں نے اس پر لا کر رکھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر اس کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ پھر اپنے اپنے برتنوں کے ساتھ سب کو بلایا۔ سب لوگوں نے برتن بھر لیے۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ لوگ جب غزوے میں محتاج ہو جاتے تھے، مدینہ میں ان کے عیال کا غلہ ختم ہو جاتا تو جو کچھ بھی لوگوں کے پاس بچا ہوتا سب کو ایک کپڑے میں اکٹھا کرتے پھر ایک برتن سے برابر تقسیم کر لیتے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ اگر ایک شخص ایک چیز کا دام طے کرے تو دوسرا آنکھ سے اشارہ کرے۔ حضرت عمر کی رائے کے مطابق یہ اس کا شریک ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں دو شریکوں میں (شریک ہوں) جب تک کہ ایک دوسرے سے خیانت نہیں کرتا۔ جب ایک دوسرے سے خیانت کرتا ہے تو میں درمیان سے نکل جاتا ہوں۔

حضور ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ساجھی داروں کے ساتھ رہتا ہے جب تک کوئی دوسرے سے خیانت نہ کرے لیکن اگر وہ خیانت کرے گا تو وہ ہاتھ ان سے اٹھ جائے گا۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جس شخص کے پاس زمین یا کھجور کا درخت ہو تو اس کو اس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک وہ اپنے شریک سے پوچھ نہ لے۔

حضرت سائب کہتے ہیں کہ میں حضور پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو لوگ میری تعریف کر رہے تھے اور میرا ذکر ہو رہا تھا حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں انہیں تمہاری نسبت زیادہ جانتا ہوں۔ حضرت سائب فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ ہی بمنزلہ میرے ماں باپ کے ہیں، آپ ﷺ نے سچ فرمایا: آپ زمانہ جاہلیت میں میرے ساجھی اور (کاروباری شریک) تھے اور کیا ہی اچھے ساجھی تھے کہ آپ نے کبھی لڑائی جھگڑا نہیں کیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ انصار نے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ہمارے درمیان اور ہمارے بھائیوں کے درمیان کھجوروں کے درخت تقسیم کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ انصار نے مہاجرین سے کہا تم محنت کرو اور ہم صرف پھل میں تمہارے ساتھ شریک ہوں گے۔ مہاجرین کہنے لگے ہم دل و جان سے راضی ہیں۔

عبداللہ بن ہشام سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا ہے۔ ان کی والدہ زینب بنت حمید انہیں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تھیں اور عرض کیا تھا، کہ اس سے بیعت لیجیے یا رسول اللہ! تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ چھوٹا ہے۔ حضور ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ زہرہ بن معبد سے روایت ہے کہ ان کے والد عبداللہ بن ہشام انہیں لے کر بازار میں جاتے اور غلہ خریدتے ابن عمر ابن

زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ملتے تو کہتے ہمیں بھی شریک کرلو کیونکہ نبی ﷺ نے تمہارے لیے برکت کی دعا فرمائی ہے وہ انہیں شریک کر لیتے کبھی یہ پورا اونٹ نفع میں پاتے اور اسے گھر بھیج دیتے۔

ابو عبداللہ فرماتے ہیں جب کسی نے کسی سے کہا کہ مجھے شریک کرلو اور جو چپ رہا تو وہ آدھے حصے کا شریک ہوگیا۔ چنانچہ ان آیاتِ قرانیہ اور احادیثِ نبویہ سے شرکت کا جواز ملتا ہے۔

شرکت کی اقسام

علما وفقہا نے شرکت کو دوسری اقسام میں تقسیم کیا ہے: شرکتِ ملک اور شرکتِ عقود

شرکت ملک کی تعریف میں مولانا احمد رضا خاں فرماتے ہیں کہ چند شخص کسی ایک شے کے مالک ہوں، اور ان میں باہم عقد شرکت طے نہ ہوا ہو۔

شرکتِ ملک کی دو اقسام ہیں: (۱) جبری (۲) اختیاری۔

اختیاری ہے کہ چند شرکا کے فعل واختیار سے شرکت ہوئی، مثلاً یہ نیت کہ چند آدمیوں نے کوئی شے خریدی یا ان کو کسی نے ہبہ یا صدقہ کیا ہو اور انہوں نے قبول کیا یا ایک نے قصداً اپنی چیز دوسرے کی چیز میں اس طرح ملا دی کہ دونوں میں فرق کرنا ممکن نہ رہا ہو۔

جبری یہ ہے کہ شرکا کے مالوں میں ان کے قصد اختیار کے بغیر ایسا خلط ملط ہو جائے کہ ایک کی چیز دوسرے کی چیز سے ممتاز نہ ہو سکے، جیسے میراث، یا اگر امتیاز ہو بھی سکے تو نہایت دقت ودشواری سے۔

شرکتِ عقد

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: العقد کے معنی کسی شے کے اطراف کو جمع کر دینے یعنی گرہ باندھنے کے ہیں جیسے کہ رسی کو گرہ باندھنا۔

ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: شرکتِ عقد دو شریکوں کے درمیان اصل سرمائے اور منافع میں شرکت کا معاملہ کرنے کا نام ہے۔ شرکتِ عقد دو مالوں کے ایک یا ایک سے زیادہ شرکا کے

درمیان اس معاہدے کا نام ہے کہ وہ دونوں کے مشترک مال سے تجارت کریں گے یا اس معاہدے کا کہ وہ دونوں مل کر کوئی کام کریں گے اور نفع ونقصان میں برابری کی بنیاد پر شریک ہوں گے۔ اسی طرح اگر ایک کہے کہ میں فلاں حصے میں تیرا شریک ہوں اور دوسرا شخص قبول کرلے اس عقد میں نفع میں کمی نہیں کے ساتھ معاملہ بھی ہوسکتا ہے لیکن نقصان راس المال کے مطابق تقسیم ہوتا ہے۔

شرکتِ ملک میں کوئی بھی چیز دو یا دو سے زیادہ اشخاص کے درمیان خریدار، ہبہ، وصیت، وراثت کے ذریعے ملکیت میں آجائے اور مال اس طرح سے مل جائیں کہ ان میں تفریق اور امتیاز کرنا ممکن نہ رہے۔

شرکتِ عقد کی چند قسمیں ہیں: شرکت بالعمل، شرکتِ وجوہ، پھر ہر ایک کی دو اقسام ہیں: (۱) شرکتِ مفاوضہ (۲) شرکتِ عنان

شرکتِ مفاوضہ

دو یا دو سے زیادہ اشخاص مل کر کاروبار کریں اور یہ معاہدہ کریں کہ دونوں کا سرمایہ برابر ہو اور نفع میں دونوں برابر کے شریک ہوں اور تصرف ودین میں بھی مساوات ہو اور دونوں میں سے ہر ایک تمام ضروری کاموں مثلاً خرید وفروخت میں ایک دوسرے کے ذمے دار ہوں گے۔ گویا دونوں شرکا امورِ متعلقۂ شرکت میں ایک دوسرے کے وکیل ہیں۔

شرکتِ عنان

شرکتِ عنان یہ ہے کہ دو اشخاص تجارت کی مختلف چیزوں میں کسی ایک شے کی تجارت مشترکہ طور پر کریں پھر ہر قسم کے مال تجارت میں شریک ہوں، مگر ہر ایک دوسرے کا ضامن نہ ہو صرف دونوں شریک آپس میں ایک دوسرے کے وکیل ہوں، شراکت عنان میں یہ شرط ہے کہ ہر ایک ایسا ہو جو دوسرے کو وکیل بنا سکے۔

شرکت بالعمل

شرکت بالعمل یہ ہے کہ دو کاریگر لوگوں کے پاس سے کام لائیں محنت مزدوری کریں،

شرکت میں کام کریں اور جو مزدوری ملے اُسے آپس میں بانٹ لیں، اس قسم کی شرکت میں لازمی نہیں کہ دونوں کاریگر ایک ہی کام کے ماہر ہوں، بلکہ دو مختلف کاموں کے کاریگر بھی باہم شرکت کر سکتے ہیں۔اس شرکت کو شرکت بالابدان اور شرکت تقبل و شرکت صنائع بھی کہتے ہیں۔

شرکت وجوہ

شرکت وجوہ یہ ہے کہ دونوں بغیر مال لے کہ عقد کریں کہ اپنی وجاہت اور قابلیت کی بنا پر دکانداروں سے ادھار مال لائیں گے اور مال بیچ کر ان کے دام دیں گے اور جو کچھ بھی بچے گا وہ دونوں آپس میں بانٹ لیں گے۔

مولانا احمد رضا خاں اور عقدِ شرکت

مولانا احمد رضا نے مشترکہ کاروبار سے متعلق امتِ مسلمہ کے لیے راہنمائی پیش کی ہے اور ان میں موجود قباحتیں، حرام و ناجائز صورتوں کا جس طور سے رد کیا اور جواز کی صورتوں کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش یقیناً تحقیق کے میدان میں خصوصیت و انفرادیت کی حامل ہے۔

مشترکہ کاروبار کی صورتوں میں جو طریقہ صدیوں سے رائج ہے وہ شرکت کا ہے۔اس کے علاوہ ایک اور صورت مضاربت کی ہے۔شراکت و مضاربت کی بنا پر کاروبار کے لیے جاتے تھے اور عہدِ حاضر میں بھی رائج ہیں۔عموماً غلط فہمی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ اس صحیح مفہوم سے ناواقفیت ہے جو شرکت کا ہے۔شرکت و مضاربت بلاشبہ مشترکہ کاروبار کی شکلیں ہیں مگر دونوں ہی انہی نوعیت، شرائط، اقسام، کاروبار میں ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔ اسی طرح عاریت (ادھار)، امانت، ہبہ (گفٹ) کے معاملات الگ ہیں۔ایک عقد کا حکم، شرط، دوسرے عقد پر لاگو نہیں ہوتا، ہر ایک دوسرے سے مختلف وجداگانہ ہے اور شرعاً الگ شرائط ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔بصورت دیگر معمولی سی نافہمی کی وجہ سے عقد حرام و ناجائز ہو جاتا ہے۔

مولانا احمد رضا نے اپنے دور میں اسی غلط فہمی کو دور کرنے کی بھرپور سعی کی اور ہر کاروبار،

معاملے، سے متعلق تحقیقات کو اس انداز سے واضح کیا کہ ان میں کسی قسم کا شبہ و گنجائش باقی نہ رہا، جس کا اندازہ آپ کی نادر تحقیق سے ہوتا ہے، کہ نہ صرف حرام و ناجائز صورتوں کا ازالہ کیا بلکہ ساتھ ہی متبادل صورتوں کو بھی پیش کیا۔

مولانا احمد رضا شرکت کے اصول کو واضح انداز میں بیان کرتے ہیں کہ شرکت کے طور پر کیا جانیوالا کاروبار اس بات کا متقاضی ہے کہ شرکا نفع و نقصان میں برابر کے شریک ہوتے ہیں ان میں سے کوئی ایک شریک اپنے لیے نفع کی کوئی مقدار معین کرے وہ شرکت نہیں ہوگی، مثلاً اگر ایک سرمائے سے تجارت ہوئی اس میں سو اور حصے دار شریک ہوئے ہر حصے دار کے لیے دس دس روپے بطورِ نفع کے مقرر ہونے اور اسی سال ایک ہزار کا نفع ہوا تو یہ ہزار روپے سو حصے دار لیں گے یہ شرکت نہیں کیونکہ یہاں نفع انہی سو حصے داروں کا حق نہیں بلکہ ان تمام شرکاء کا ہے جو اس کاروبار میں شریک ہوئے۔دوسری صورت یہ ہوئی کہ اگر پانچ ہزار نفع کے ہوئے تو ان نصف دینے والوں کو پانچواں حصہ ملا اور ان دو چند والوں کو چہار چند، یہ مظلوم ہیں اور ان پر ظلم ہوا ہے، بلکہ اصل اصول یہی ہے کہ سو اشخاص نے تجارت کی اور نفع ہزار ہو تو سب شرکا کے حصے دس دس ہی مقرر ہوں گے اور پانچ سو ہوں تو سب پانچ پانچ کے حق دار ہوں گے اور نفع دو ہزار کا ہو تو سب شرکا کے طبقے بیس بیس مقرر ہوں گے۔اگر نفع نہ ہو تو سب کو برابری کی سطح پر کچھ نہیں ملے گا۔بلکہ نفع میں برابری کیساتھ نقصان میں بھی سب برابر کے حصے دار ہوں گے۔شریعت کا تقاضا یہی ہے اور شرکت کی یہی صحیح صورت ہے۔

مولانا احمد رضا نے شرکتِ ملک سے متعلقہ مسائل کی وضاحت بھی بیان فرمائی، یعنی مشترکہ مکان، مشترکہ اراضی، وراثت میں جو اشیا مشترکہ ملکیت کی ہوتیں ہیں اور ورثا کے مابین تقسیم نہیں ہوتیں ان کے بارے میں عموماً یہ رواج ہے کہ گھر کے سربراہ کے وفات پا جانے کے بعد ورثا اپنے میں سے کسی ایک کو تمام اختیارات کا مالک بنا دیتے ہیں وہ اپنی مرضی سے جائیداد میں تصرف کرتا ہے۔مولانا احمد رضا فرماتے ہیں کہ ایسی مشترکہ ملکیت کو جو ورثا کے مابین بغیر تقسیم کے ہو ایک وارث جو دوسرے تمام ورثا کا وکیل ہوتا ہے اپنی مرضی سے جائیداد میں تصرف کرنے کا حق نہیں رکھتا بلکہ اس کا تصرف کرنا دوسرے ورثا کی اجازت پر منحصر ہوتا

ہے۔

مزید براں مشترکہ جائیداد میں کوئی ایک شریک اپنے روپے سے تعمیر کروائے تو وہ دیگر ورثا کی رضامندی سے کرواسکتا ہے۔ دوسری صورت میں اس شریک کی مدد کے طور پر کوئی دوسرا وارث اس تعمیر میں اپنا حصہ بھی لگادے۔ اس وقت یہ توضیح ضروری ہے کہ آیا اس شریک نے یہ روپیہ بطور قرض دیا ہے یا گفٹ کے طور پر۔ ظاہر ہے گفٹ کے طور پر دی گئی رقم واپس نہیں ہوسکتی البتہ قرض دیا ہے تو وہ شریک اس دوسرے کو وہ قرض ادا کرے گا۔

مولانا احمد رضا اس بات کی وضاحت بیان کرتے ہیں جو طریقہ عموماً رائج ہے کہ مورث کے وفات پاجانے کی صورت میں اس کے اموال و دیہات و مکاناتِ ورثا کے مابین تقسیم نہیں ہوتے بلکہ مشترکہ ہی شریک رہتے ہیں اور کچھ وارث باقی ورثا کی رضامندی سے ان میں تصرف کرتے ہیں۔ اصل میں یہ شرکت کا عقد نہیں ہے، بلکہ یہ شرکتِ ملک ہے۔ مولانا احمد رضا نے شرکتِ ملک کی جو تعریف کی ہے وہ پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے، جس کے مطابق چند اشخاص کسی مشترکہ شے کے مالک ہوں اور ان میں شرکت کا عقد طے نہ ہوا ہو؛ لہٰذا یہ شرکت کا معاہدہ نہیں بلکہ سب ورثا میں شرک ہے یہ شرکتِ ملک ہے۔

خلاصۂ تحقیق

مندرجہ بالا تحقیق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلام نے شرکت کی بنا پر کیے جانے والے کاروبار سے متعلق راہنمائی کی ہے۔ کاروبار کی یہ شکل بلاشبہ قدیم ہے۔ مولانا احمد رضا نے اس کاروبار سے متعلق تحقیقات بیان کی ہیں جن سے راہنمائی حاصل کر کے دورِ حاضر میں اس شرکت کے کاروبار کو بہتر انداز سے کیا جاسکتا ہے۔

نتائج

(۱) شرکت دو یا دو سے زائد افراد کے مل کر کاروبار کرنے کو کہتے ہیں جس میں افراد نفع ونقصان کی ذمے داری قبول کرتے ہیں۔ عموماً نفع کی مقدار متعین کرنا یا چند کو حصہ زیادہ ملنا اور چند شرکا کو کم، یہ شرکت کی صورت نہیں ہے۔

(۲) موجودہ دور میں مشترکہ کاروبار کی کئی ایک شکلیں رائج ہیں جن میں ایک مشترکہ سرمایہ کمپنیاں ہیں۔

(۳) مولانا احمد رضا نے شرکت کے صحیح مفہوم کی نشان دہی کی اور شرکتِ ملک کو واضح انداز میں بیان کیا کہ یہ شرکت ملک الگ ہے اس کا عقدِ شرکت سے کوئی تعلق نہیں۔

عملی اطلاق

کاروبار مختلف شکلوں کا ہوسکتا ہے: ایک انفرادی، دوسرا مشترکہ۔ مشترکہ کاروبار میں عموماً دو سے زیادہ لوگ انوسٹ (Invest) کرتے ہیں۔ موجودہ دور میں مشترکہ کاروبار کی ایک بڑی مثال مشترکہ سرمائے کی کمپنیاں (Companies Stock Joint) ہیں۔ یہ بڑی نوعیت کا بزنس ہوتا ہے جس کو چلانے کے لیے ایک بڑے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مشترکہ سرمایہ کمپنی، یا شیئرز کاروبار میں شراکت کی جدید اور نئی صورت ہے۔ کمپنی کے شیرز دو طرح کے ہوتے ہیں: (۱) ترجیحی حصص، (۲) مساواتی حصص۔ ترجیحی حصص والے شیئرز دار صرف نفع میں شریک ہوئے ہیں نقصان میں نہیں اور ان کو ان کے جمع کیے ہوئے روپے پر ایک طے شدہ نسبت سے نفع دیا جاتا ہے۔ خواہ کمپنی کو اپنی تجارت میں نفع ہو یا نقصان۔ مساواتی حصص کے شیرز دار اپنے حصے کے تناسب کے لحاظ سے نفع ونقصان دونوں میں شریک ہوتے ہیں انھیں نفع اسی صورت میں دیا جاتا ہے جب کمپنی کا کاروبار نفع میں چل رہا ہو۔

جیسے کہ بیان کیا گیا کہ شرکت کا کاروبار نفع ونقصان کی بنیاد پر طے پاتا ہے اور نفع کا تعین برابر کی سطح پر ہوتا ہے۔ اصولاً شریعتِ مطہرہ نے جس انداز سے مشترکہ کاروبار کی اجازت دی ہے جن میں شرکت ایک ہے، اس کے اصول وضوابط بھی متعین کیے۔ مولانا احمد رضا نے اس بات کی صاف وضاحت فرمادی، (جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزر چکا) کہ شرکت کا معاہدہ نفع ونقصان میں برابر شریک ہوتا ہے، اب تک مشترکہ سرمایہ کی کمپنی کا جو تعارف پیش کیا اس میں جو شیرز دو طرح کے ہیں ان میں سے ایک طریقہ تو مکمل شرع مطہرہ کے مخالف ہے دوسرا جو قرض سود پر دیا جاتا ہے وہ سراسر حرام و ناجائز ہے۔

پاکستان میں جتنے کاروبار بھی شراکت کی بنیاد پر طے پاتے ہیں، ان کی نگرانی، قانون شراکت مجریہ کرتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ان قوانین کا از سرِ نو جائزہ لے کر ان کو اسلامی شریعت کے مطابق ڈھالا جائے۔

مصادر و مراجع

۱۔ التعریفات، سید شریف بن علی بن محمد الجرجانی، دار الکتب العربی، القاہرہ، ء

۲۔ القاموس، محمد بن یعقوب الفیروز آبادی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ء

۳۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۴۔ القرآنِ الکریم، ۵۔ ایضاً،

۶۔ ایضاً، ۷۔ ایضاً،

۸۔ ایضاً، ۹۔ ایضاً، الزمہ

۱۰۔ ایضاً، انفال ۱۱۔ صحیح بخاری، باب الشرکۃ فی الطعام وغیرہ

۱۲۔ ایضاً ۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ سنن ابی داود۔ ۱۵۔ المستدرک علی العدحسین، :۰، رقم

۱۶۔ سنن النسائی، کتاب البیوع

۱۷۔ سننِ ابوداؤد، کتاب الارب، باب کرادیۃ المراء

۱۸۔ صحیح بخاری، کتاب المزرعۃ

۱۹۔ نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب الشرکۃ

۲۰۔ بہارِ شریعت، امجد علی اعظمی

۲۱۔ العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ، امام احمد رضا بریلوی (مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات) رضا فاؤنڈیشن،

۲۲۔ ایضاً، ۲۳۔ ایضاً، ۲۴۔ ایضاً،

۲۵۔ شیرز کا کاروبار، مفتی محمد نظام الدین رضوی، رومی پبلی کیشنز، لاہور

۲۶۔ قانون شراکت داری مجریہ (انگریزی)

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز
سیدی اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام

مولانا عبید اللہ خاں اعظمی

ہندوستان کی سرزمین پر یوں تو بہت سے ایسے صوفیہ اور اولیاء اپنے اپنے عہد میں جلوہ فرما ہوئے، جن کی ذات میں بیک وقت علوم وسلوک کی ساری تابنا کیاں موجود تھیں، لیکن بریلی کی سرزمین سے ابھرنے والی شخصیت کا امتیاز وتفرد اپنی جگہ ہے۔ مخالفین بھی اس حقیقت کا برملا اقرار کرتے ہیں کہ فاضل بریلوی امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے دامنِ ذات میں بہت سے علوم و اقدار کے حسین چراغ پوری تابنا کی کے ساتھ روشن تھے۔ اعلیٰ حضرت کے معاصرین نے بھی اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ وہ حکمت وفراست اور علوم ومعرفت کا ایک ایسا گہرا خزانہ تھے جس کی تہہ تک پہنچنا بڑا کٹھن تھا اور روشنی کا ایسا مینارہ تھے جو انسانی تقدیر اور امکانات کے چھپے ہوئے گوشوں کو منور کر دیتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت کی علمی حیثیت کی تصویر کشی کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ ایک ہلکی سی جھلک آپ کے تعلق سے بعض تحریروں میں ضرور ملتی ہے، تاہم وہ بجائے سیراب کرنے کے تشنگی کو مزید دوبالا کر دیتی ہیں۔ جتنے بھی معاصرین نے آپ پر اپنے قلمِ سرما کا خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے وہ محض ایک دھندلا سا نقش ہے اور میں بلا خوف وتردد یہ کہتا ہوں کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی جیسی شخصیت جو اپنے دور میں مقدمۃ العباقرہ کا درجہ رکھتی تھی، ان کے حوالے سے عقیدت کے چاہے جتنے نقش ونگار کھلائے جائیں، وہ اصل تصویر کا ایک بے کیف وبے رنگ حصہ ہی ثابت ہوں گے۔ اس سے پہلے کہ میں ان کے حوالے سے اپنی گفتگو کا آغاز کروں، یہ باتیں تمہیداً اس لئے عرض کر دی ہیں کہ کچھ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں

جن پر الفاظ کے سمندر لٹانے کے باوجود بھی ان کے قطرہ دامن کا بھی احاطہ نہیں ہوتا اور بلا مبالغہ اعلیٰ حضرت بھی ان میں سے ایک ہیں۔ ظاہر ہے، ایک ذات جو خوبیوں اور کمالات کا مجموعۂ رنگا رنگ ہو، علم وحکمت کے جواہر پاروں کا انمول خزانہ ہو، تعلیم وتبلیغ کا فلک بوس مسند ہو، رشد وہدایت کا مینارۂ نور ہو، اصلاح وتحقیق کا سرچشمۂ صافی ہو، شعر وسخن کا چمن ہزار لالہ رنگ ہو، فقہ وتفسیر کی کہکشاں ہو، تاریخ وجغرافیہ کا منبع ہو، ہیئت وریاضی اور نجومیات کا ماہر ہو، اس کے بارے میں حرف وحکایت کی جرأت کرنا ہمالہ سے ٹکرانے کے مترادف ہے۔ بڑی حیرت بھی ہوتی ہے اور رشک سے سینہ پھول بھی جاتا ہے، جب ایک طرف تو اعلیٰ حضرت کے فتاوئی اور مذہبی تحریر میں صلابت اور بلند آہنگی کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ملتی ہے تو وہیں دوسری جانب شعر وسخن کے میدان میں نازک خیالی اور شیر کی دھاڑ سے ایک دم سے بلبل کی خوش الحانی کا معاملہ نظر آتا ہے۔ یہ تضاد بھی ایک فن ہے، بلکہ یہ اعلیٰ حضرت کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشقِ کامل کا کرشمہ ہے جو ان کو بیک وقت شعلہ وشبنم رکھتا ہے۔ ورنہ عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ مذہبی علوم کے ماہرین شعر وسخن کے باب میں خشکی وبے کیفی کا پیکر بن جاتے ہیں اور ان کی شعریت ان کی علمی کوہ قامتی کے نیچے دب کر مردہ و افسردہ ہو جاتی ہے۔ وہ جو اعلیٰ حضرت نے ملکِ سخن کی شاہی والی بات کہی ہے وہ بھی دراصل ان کے انکسار وتواضع کا بیانیہ ہے، نہ کہ عام شعراء کی طرح تعلّی کا۔ اس لئے کہ وہ کون سا ایسا کمال تھا جس کا سرنامہ ان کی ذات نہیں بن سکتی ہے اور وہ کون سی ایسی مملکتِ ہنر وفن تھی جس کی سرتاجی ان کے قدمِ ناز پر نثار نہ تھی۔ ایسے میں اعلیٰ حضرت کا ملکِ سخن کی شاہی والا بیان محض ایک انکسار ہی تو ہے۔ مولانا کوثر نیازی نے اعلیٰ حضرت کو برصغیر کا ابو حنیفہ قرار دینے میں بخالت کی ہے، یا پھر تکلف سے کام لیا ہے۔

اپنی چار دہائیوں پر محیط خطابت کے دوران مجھے نہیں لگتا کہ میری کوئی بھی ایسی تقریر ہو گی جس میں کسی نہ کسی حوالے سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا ذکر نہ آیا ہو۔ دراصل یہ بھی اعلیٰ حضرت کی کثیر الجہات شخصیت کی ایک زندہ کرامت ہے کہ چاہے جتنا بڑا طبع زاد اور فی البدیہہ بولنے والا مقرر کیوں نہ ہو اسے اس دریائے گہربار سے موتیاں چننے پر مجبور ہونا ہی پڑتا ہے۔ غالب نے کہا ہے مشاہدۂ حق میں بھی بادہ وساغر کے بغیر بات نہیں بنتی ہے۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت کے اجتہادی، فقہی، علمی اور شعری حوالوں کے بغیر مقررین لاکھ طومار باندھ لیں وہ بات نہیں بنتی ہے جو بارگاہِ امام بریلی کے ایک شعر یا ایک فقہی یا علمی حوالے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی شخصیت کی متعدد جہتیں ہیں اور ہر جہت اتنی پہلو دار ہے کہ اگر ایک کو بھی منتخب کر کے اس پر اظہارِ خیال کرنے کی سعی کی جائے تو آخر میں غالب کے ان لفظوں سے ہی لاج بچائی جا سکتی ہے۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کیلئے

اب تک جو تحقیقات اعلیٰ حضرت کی شخصیت اور تصنیفات کے حوالے سے منظرِ عام پر آئی ہیں، ان سے یہ پتا چلتا ہے کہ وہ بیک وقت ۵۰/ سے زائد علوم میں کامل دست گاہ رکھتے تھے اور اسلامی علوم پر تقریباً ایک ہزار کتابیں انہوں نے تصنیف کی ہیں۔ یہاں بھی ایک عبقری صاحبِ قلم کی حیثیت سے آپ کا قلم بڑا محتاط اور محفوظ نظر آتا ہے۔ عربی، فارسی اور اردو میں متعدد موضوعات جن میں بعض اپنے عرفی اور معنوی اعتبار سے بعد المشرقین کے حامل تھے، ان پر یکساں چابک دستی کے ساتھ لکھنا اور تحریریں بھی ایسی کہ اپنے موضوع پر حرفِ آخر قرار دی جائیں، فاضل بریلوی کے غیر معمولی علم وفضل اور ہمہ صفت موصوف قلم کی نشاندہی کرتی ہیں۔

ایک حیثیت آپ کی ایسی بھی ہے جو ان کٹھ ملاؤں کو پسند نہیں آتی ہے، جن کی شریعت میں پانی خطرے کے نشان سے عموماً اوپر بہتا ہے اور وہ زندگی بھر بجائے شناوری کے اس پر بند باندھنے میں ہی مصروف رہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی مجددانہ حیثیت سے صرف ان ذہنوں نے انکار کیا ہے، جو یا تو پہلے سے کسی نہ کسی عذر کے ساتھ آلودہ تھے، یا ان کی قامت کے آگے وہ اپنا بونا پن چھپانے کیلئے دانستہ اس مہم میں جڑے ہوئے تھے۔ رفعِ شر کیلئے عرض کر دوں کہ میں اختلافی یا متنازعہ امور سے ہمیشہ ہی اعراض کرتا ہوں لیکن کبھی کبھی بات جب مبنی برحق ہو تو اس کا اظہار کرنا ہی پڑتا ہے۔ امام احمد رضا بلاشبہ ایک ولی ہونے کے ساتھ

ساتھ چودھویں صدی کے مجدد بھی تھے اور ان کی ذات میں مجدد ہونے کیلئے مطلوبہ شرائط اور اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے، ان کی پوری زندگی اسوۂ رسول پر حامل مسلم معاشرے کی تجدید وتشکیل میں ہی بسر ہوئی ہے۔ پوری مسلم دنیا میں بالعموم اور برصغیر میں بطورِ خاص ایک خاص نظریے کی ترویج کیلئے جس کے مقاصد سیاسی زیادہ اور مذہبی کم تھے، نام نہاد شرک و بدعات کے سیاہ بادل لہرائے جارہے تھے۔ عام مسلمان ایک ادھیڑبُن میں تھے کہ کفروشرک وبدعت کا یہ طوفان جن اشاروں پر برپا ہوا ہے وہ آخر کیا ہے، اور اس کا ہدف اسلام اور اہلِ اسلام کو حبِ رسول کے انقلابی سانچے میں ڈھالنا ہے یا محض دینی حوالے سے اپنی بات منوانے تک سارا معاملہ محدود ہے۔ ایسے ہوشربا اور ایمان شکن تاریکی کے ماحول میں اعلیٰ حضرت ایک سورج کی طرح نمودار ہوئے اور اپنے علم وتفقہ کی نورانی کرنوں سے نہ صرف کفر وضلالت کی تاریکیوں کو دور کیا بلکہ ان چہروں کو بھی روشن کردیا جنہوں نے اسلام کو ایک خشک وبے لچک عقیدہ بنا رکھا تھا اور اصل دین کی روح تک خود پہنچے تھے اور نہ ہی دوسروں کو اس تک رسا ہونے دینا چاہتے تھے۔ عرب وعجم کے انصاف پسند علماء نے امام احمد رضا فاضل بریلوی کو مجدد تسلیم کیا تھا اور یہ آپ کے علمی خدمات کے اعتراف کے عوض میں تھا اور کسی خانقاہ کی سجادہ نشینی سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ آج بھی اعلیٰ حضرت کو خراجِ عقیدت ان کی عملی اور علمی زندگی کو اختیار کر کے ہی پیش کیا جاسکتا ہے اور وہ لوگ جنہوں نے صرف جیب وداماں کی حکایت تک اس آفتاب عالم تاب کی کرنوں کو محدود کر رکھا ہے وہ اعلیٰ حضرت سے آشنائی کا دم لاکھ بھریں، ہم جیسے آشفتہ مرید امامِ بریلوی اسے قبول کرنے والے نہیں ہیں۔

☆☆☆

تاج الشریعہ علامہ اختر رضا ازہری کے کلام کی بدیعی پیمائش

مولانا اختر حسین فیضی

تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں ازہری بریلوی متخلص بہ اختر مدظلہ العالی (جانشین مفتی اعظم ہند) خانوادۂ رضویہ کی ان عظیم ہستیوں میں سے ہیں جن کی ذات سے آج بریلی کی علمی بہار قائم ہے۔ آپ ۱۹۴۳ء میں محلہ سوداگران، بریلی میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ حضرت تک شجرۂ نسب یہ ہے:

محمد اختر رضا بن ابراہیم رضا بن حامد رضا بن (امام) احمد رضا۔

دارالعلوم منظر اسلام بریلی، اسلامیہ انٹر کالج بریلی اور جامعۃ الازہر مصر سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد تدریس وتبلیغ اور تصنیف وتالیف میں لگ گئے۔ تبلیغ واصلاح اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ آپ کی شناخت صف اول کے عالم دین اور شیخ طریقت کے طور پر ہے۔ قرآن فہمی، حدیث دانی اور فقہ شناسی میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل ہے اور شعر و سخن سے بھی گہری وابستگی ہے۔ آپ کا مجموعۂ کلام ''سفینۂ بخشش'' کے نام سے مطبوع ہے جس میں حمد، نعت اور منقبت کے اشعار شامل ہیں۔ آپ کی شاعری کا ایک مخصوص رنگ و آہنگ ہے جو آپ کو ہم عصر نعت گو شعرا سے ممتاز کرتا ہے۔ اسلوب صاف، شستہ اور معنی آفریں ہے۔ اس لئے قارئین پر ایک واضح نقش چھوڑتا ہے۔ آپ کی شاعری میں جا بجا تغزل کا رنگ وآہنگ صاف جھلکتا ہے۔ تغزل سے بھرپور درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں

وہی تبسم، وہی ترنم، وہی نزاکت، وہی لطافت
وہی ہیں دزدیدہ سی نگاہیں کہ جس سے شوخی ٹپک رہی ہے
گلوں کی خوشبو مہک رہی ہے، دلوں کی کلیاں چٹک رہی ہیں
نگاہیں اٹھ اٹھ کے جھک رہی ہیں کہ ایک بجلی چمک رہی ہے
نہ جانے کتنے فریب کھائے ہیں راہِ الفت میں ہم نے اختر
پر اپنی مت کو بھی کیا کریں ہم فریب کھا کر بہک رہے ہیں

آپ کی شاعری کا خاصا سرمایہ نعتِ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ان میں آپ نے سرورِ کونین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت عالیہ، مقام ومرتبہ اور اسوۂ حسنہ کا ذکر بڑے خوبصورت پیرائے میں کیا ہے۔سرکار کے معجزات، اختیارات اور تصرفات کو بھی شاعری کے قالب میں ڈھالا ہے۔درج ذیل اشعار سے اختیارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھرپور روشنی پڑتی ہے اور مقامِ بلند کا بھی پتا چلتا ہے۔فرماتے ہیں:

جہاں بانی عطا کر دیں، بھری جنت ہبہ کر دیں
نبی مختارِ کل ہیں جس کو جو چاہیں عطا کر دیں
جہاں میں ان کی چلتی ہے، وہ دم میں کیا سے کیا کر دیں
زمیں کو آسماں کر دیں، ثریا کو ثرا کر دیں

مقطع میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر بھرپور بھروسہ کرتے ہوئے یوں رطب اللسان ہیں

مجھے کیا فکر ہو اختر، مرے یاور ہیں وہ یاور
بلاؤں کو جو میری خود گرفتار بلا کر دیں

نعت گوئی کیلئے زبان وبیان کی شیرینی، فکر وخیال کی پاکیزگی اور عشقِ رسول کی چاشنی بنیادی شرط ہے۔حضرت اختر بریلوی مدظلہ نے صرف اظہارِ فن کیلئے نعتیں نہیں کہی ہیں، بلکہ الفاظ کے پیکر میں عقیدت ومحبت کی دلی آواز ہے، جس میں سوز وگداز، عشق وسرمستی اور خود سپردگی کا عنصر پورے طور پر کارفرما ہے۔ایک جگہ یوں گویا ہیں

داغِ فرقتِ طیبہ، قلبِ مضمحل جاتا
کاش گنبدِ خضرا دیکھنے کو مل جاتا
میرا دم نکل جاتا ان کے آستانے پر
ان کے آستانے کی خاک میں، میں مل جاتا
ان کے در پہ اختر کی حسرتیں ہوئیں پوری
سائلِ درِ اقدس کیسے منفعل جاتا

عقیدے کی زبان میں درج ذیل اشعار بھی دیکھیں

وجہ نشاطِ زندگی، راحتِ جاں تم ہی تو ہو
روحِ روانِ زندگی، جانِ جہاں تم ہی تو ہو
اصل شجر میں ہو تمہی، نخل وثمر میں ہو تمہی
ان میں عیاں تمہی تو ہو، ان میں نہاں تمہی تو ہو

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے در کی گدائی پر ناز کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں

ان کی گدائی کے طفیل ہم کو ملی سکندری
رنگ یہ لائی بندگی، اوج پہ اپنا بخت ہے

اس کے بعد بارگاہِ رسول میں اپنی خواہشوں کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں

غنچۂ دل کھلائیے، جلوۂ رخ دکھائیے
جامِ نظر پلائیے، تشنگی مجھ کو سخت ہے

دل کی بے تابی کا اظہار اس طور پر کرتے ہیں

اختر خستہ طیبہ کو سب چلے تم بھی اب چلو
جذب سے دل کے کام لو، اٹھو کہ وقت رفت ہے

آپ کا پایۂ شاعری اس لئے بھی اور بلند نظر آتا ہے کہ آپ نے اپنے اجداد کے ذخیرۂ شعروسخن سے خوب استفادہ کیا ہے۔اعلیٰ حضرت رضا بریلوی، مولانا حسن رضا حسن بریلوی اور مفتی اعظم ہند نوری بریلوی کا سرمایۂ شاعری آپ کے پیش نظر ہے۔اس لئے ان کا رنگِ کلام آپ کے اشعار میں صاف نظر آتا ہے۔

اس مضمون میں کلامِ اختر کا بدیعی تجزیہ پیش کیا گیا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علمِ بدیع کے تعلق سے چند باتیں پیش کردی جائیں۔

بدیع اس علم کو کہتے ہیں جس کی رعایت سے فصیح وبلیغ کلام اور حسین ہوجاتا ہے۔علمِ بدیع کو صنائع، بدائع بھی کہا جاتا ہے۔علامہ قزوینی فرماتے ہیں:

"هو علم يعرف به وجوه تحسين الكلام بعد رعاية المطابقة ووضوح الدلالة." (تلخیص المفتاح، ص:۶۱، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ)

یعنی علمِ بدیع ایسا علم ہے جس کے ذریعہ تحسینِ کلام کے طریقے معلوم کئے جائیں، مگر

ان طریقوں سے کلام میں حسن اور خوبصورتی اس وقت آئے گی جبکہ کلام موقع ومحل کے مطابق ہواور معنئ مراد کی ترسیل بھی متاثر نہ ہو۔

اس سے پتا چلا کہ علمِ بدیع کے عناصر، کلام میں حسن ولطافت اور تاثیر کے علاوہ اضافی پہلو بھی اجاگر کرتے ہیں، چونکہ اس علم کی رعایت سے کلام کے اندر ندرت اور انوکھا پن پیدا ہوتا ہے، اس لئے شاعری میں اسے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن ذہن میں یہ بھی رہنا چاہئے کہ صنائع، بدائع بے تکلفی سے آجائیں تو کلام میں حسن پیدا کرتے ہیں اور جہاں تکلف اور آورد سے کام لیا گیا، وہاں حسنِ اضافی تو کیا، حسن ذاتی بھی متاثر ہوجاتا ہے۔

کلام کے اندر تزئین وتحسین دوطرح کی ہوتی ہے۔ ایک لفظی، دوسری معنوی۔ جن میں ذاتی طور پر لفظی خوبیاں ہوتی ہیں وہ صنائع لفظی اور جن میں معنوی خوبیاں ہوتی ہیں وہ صنائع معنوی کہی جاتی ہیں۔ حضرت اختر بریلوی کے کلام میں یہ خوبیاں بہ کثرت پائی جاتی ہیں۔ درج ذیل سطور میں صنائع، بدائع کے لحاظ سے کلام کے اندر حسن وجمال کی جھلکیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔

تجنیس تام

وہ صنعت ہے کہ دولفظوں کے حروف نوع میں، تعداد میں، ترتیب میں اور حرکت و سکون میں یکساں ہوں۔ اس کی دوقسمیں ہیں۔ تجنیس تام مماثل، تجنیس تام مستوفی۔ اگر ان دونوں لفظوں میں سے ایک فعل اور دوسرا اسم ہو تو اسے تجنیس تام مستوفی کہتے ہیں، اور دونوں یکساں ہوں تو اسے تجنیس تام مماثل کہتے ہیں۔ دونوں کی مثالیں امام نعت گویاں حضرت رضا بریلوی کے اشعار سے پیش ہیں۔

مثالِ تجنیس تام مماثل

بحر سائل کا ہوں سائل، نہ کنویں کا پیاسا
خود بجھا جائے کلیجا مرا چھینٹا تیرا

اس میں دونوں ''سائل'' اسم فاعل ہیں، پہلا ''سَیَل'' (بہنا) سے مراد اور دوسرا ''سؤال'' (مانگنا) سے۔

مثالِ تجنیس تام مستوفی

تراقد مبارک گلبنِ رحمت کی ڈالی ہے
اسے بو کر ترے رب نے بِنا رحمت کی ڈالی ہے

پہلے مصرع میں ''ڈالی'' بہ معنیٰ شاخ، اسم ہے اور دوسرے مصرع میں ''ڈالی'' فعل ہے۔ ڈالنا مصدر سے۔

اب امام احمد رضا بریلوی کے علم کے وارث تاج الشریعہ حضرت اختر بریلوی کے کلام میں تجنیسِ تام مستوفی کی بہترین مثال دیکھیں

وہ خرامِ نام فرمائیں جو پائے خیر سے
کیا بیاں وہ زندگی ہو دل جو پائے خیر سے

پہلے مصرع میں ''پائے'' پاؤں کے معنیٰ میں اسم ہے۔ اور دوسرے میں ''پائے'' پانا مصدر سے فعل ہے۔

صنعت اشتقاق

کلام میں ایک ہی مادے کے چند الفاظ لانا، جیسے

اے بخت تو جاگ اور جگا ہم کو کہ پھر ہم
جاگیں گے نہ تا حشر جگائے سے کسو کے

اس میں جاگ، جگا، جاگیں گے اور جگائے یہ سب جاگنا ''مصدر'' سے مشتق ہیں۔

حضرت اختر بریلوی کے اشعار میں صنعتِ اشتقاق کی رنگینی ملاحظہ فرمائیں

فرقتِ طیبہ کے ہاتھوں جیتے جی مردہ ہوئے
موت یا رب ہم کو طیبہ میں جلائے خیر سے

جیتے جی، اور جلائے میں صنعت اشتقاق ہے۔

موت لے کے آ جاتی زندگی مدینے میں
موت سے گلے مل کر زندگی میں مل جاتا

مل کر، اور مل جاتا صنعتِ اشتقاق ہے۔

مجھے کھینچے لئے جاتا ہے شوقِ کوچۂ جاناں
کھنچا جاتا ہوں میں یکسر مدینہ آنے والا ہے

کھینچے اور کھنچا جاتا ہوں میں صنعت اشتقاق ہے۔

طلب گارِ مدینہ تک مدینہ خود ہی آ جائے
تو دنیا سے کنارہ کر مدینہ آنے والا ہے

آجائے اور آنے والا میں صنعت اشتقاق ہے۔

تصدیر / رد العجز علی الصدر

اشعار میں کوئی لفظ درج ذیل صورتوں میں مکرر لانا۔

(۱) جس لفظ سے پہلا مصرع شروع ہو، اسی پر دوسرا مصرع ختم ہو، جیسے

شاخ قامتِ شہ میں زلف وچشم ورخسار ولب ہیں
سنبل، نرگس، گل پنکھڑیاں، قدرت کی کیا پھولی شاخ
(رضا بریلوی)

(۲) پہلے مصرعے کا کوئی درمیانی لفظ دوسرے مصرع کے اخیر میں لایا جائے، جیسے

سرِ فلک نہ کبھی تابہ آسماں پہنچا
کہ ابتدائے بلندی تھی انتہائے فلک
(رضا بریلوی)

(۳) پہلا مصرع جس لفظ پر ختم ہو، دوسرا مصرع بھی اسی پر ختم ہو، جیسے

تمہارے ذرّے کے پر تو ستارہائے فلک
تمہارے نعل کی ناقص مثل ضیائے فلک
(رضا بریلوی)

(۴) دوسرا مصرع جیسے شروع ہوا اس کا ختم بھی ویسے ہی ہو، جیسے

ہے کلامِ الٰہی میں شمس وضحیٰ ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسم شبِ تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم
(رضا بریلوی)

حضرت اختر بریلوی کے اشعار میں بھی صنعت تصدیر کی مثالیں کثرت سے پائی جاتی ہیں، چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

پہلی صورت:

(۱) کیجئے یاد خاتم الانبیا
ختم یوں ہر رنج و کلفت کیجئے

(۲) نہیں جاتی، کس صورت پریشانی نہیں جاتی
الٰہی میرے دل کی خانہ ویرانی نہیں جاتی

(۳) کیجئے اپنا محض اپنا مجھے
قطع میری سب سے نسبت کیجئے

دوسری صورت:

(۱) تیز کیجئے سینۂ نجدی کی آگ
ذکرِ آیاتِ ولادت کیجئے

(۲) جہاں بانی عطا کر دیں، بھری جنت ہبہ کر دیں
نبی مختارِ کل ہیں جس کو جو چاہیں عطا کر دیں

(۳) تم چلو، ہم چلیں سب مدینے چلیں
جانبِ طیبہ سب کے سفینے چلیں

تیسری صورت:

(۱) فرقتِ طیبہ کی وحشت دل سے جائے خیر سے
میں مدینہ کو چلوں، وہ دن پھر آئے خیر سے

(۲) عرش پر ہر سو ہیں ان کی جلوہ گستر ایڑیاں
گہہ بہ شکلِ بدر ہیں گہہ مہرِ انور ایڑیاں

پہلی صورت کا دوسرا اور دوسری صورت کا دوسرا اور تیسرا شعر، تیسری صورت میں داخل ہے۔ اس لئے کہ ان کا پہلا مصرع جس لفظ پر ختم ہو رہا ہے، دوسرا مصرع بھی اسی لفظ پر ختم ہو

رہا ہے۔

چوتھی صورت:

(۱) نہ جانے کس قدر صدمے اٹھائے راہِ الفت میں
نہیں جاتی مگر وہ دل کی نادانی نہیں جاتی

(۲) ان کے حاسد پہ وہ دیکھو بجلی گری
وہ جلا دیکھ کر، وہ جلا، وہ جلا

(منقبت درشان مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ)

ترصیع

اگر دونوں فقروں یا مصرعوں کے تمام الفاظ ترتیب وار، یکے بعد دیگرے وزن بھی رکھتے ہوں اور قافیہ بھی، جیسے

(۱) سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی
سب سے بالا و والا ہمارا نبی

(رضا بریلوی)

(۲) دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

(رضا بریلوی)

(منقبت درشان مفتی اعظم ہند)

حضرت اختر بریلوی کے کلام میں صنعت ترصیع کے انوار وتجلیات جابجا نظر آتے ہیں، جو اربابِ شعر وسخن کیلئے سامان تسکین ہیں۔ مثالیں ملاحظہ کیجئے اور لذتِ فکر ونظر کا سامان کیجئے

(۱) صداقت ناز کرتی ہے، امانت ناز کرتی ہے
حمیت ناز کرتی ہے، مروت ناز کرتی ہے

(منقبت درشان امام عالی مقام حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

(۲) اپنے در پہ جو بلاؤ تو بہت اچھا ہو
میری بگڑی جو بناؤ تو بہت اچھا ہو

(۳) قیدِ شیطاں سے چھڑاؤ تو بہت اچھا ہو
مجھ کو اپنا جو بناؤ تو بہت اچھا ہو

(۴) سنبھل جا اے دل مضطر، مدینہ آنے والا ہے
لٹا اے چشم تر گوہر، مدینہ آنے والا ہے

(۵) قدم بن جائے میرا سر، مدینہ آنے والا ہے
بچھوں رہ میں نظر بن کر، مدینہ آنے والا ہے

تلمیع

وہ صنعت ہے کہ کوئی شعر دو یا دو سے زیادہ زبانوں میں کہا جائے اسے ذولسانین بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت اختر بریلوی کے کلام میں صنعت تلمیع کا حسن وجمال دیکھیں

بر درت آمد گدا بھر سوال
ہو بھلا اختر کا داتا آپ ہیں

تاج خود را کاسہ کردہ گوید ایں جا تاج ور
ان کے در کی بھیک اچھی، سروری اچھی نہیں

بلبل بے پر پہ ہو جائے کرم
آشیانش دہ بہ گلزار حرم

خلد کی خاطر مدینہ چھوڑ دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

جُدْ بِوَصْلٍ دَائِمٍ یَا سَیِّدِیْ
ختم اب یہ دور فرقت کیجئے

اِدْفَعْ شَرَارَ شَرٍّ یَا غَوْثَنَا الْاَبَرّ
شر کے شر خطیر ہیں یا غوث المدد

اس صنعت میں عموماً شعرا نے دو زبانیں استعمال کی ہیں، لیکن حضرت رضا بریلوی کے یہاں ایک شعر میں چار زبانوں کا استعمال ملتا ہے۔ اس کی ترتیب یوں ہے کہ پہلے مصرعے میں عربی اور فارسی اور دوسرے مصرع میں ہندی اور اردو کی ترکیبیں استعمال ہیں۔

ضیافتِ طبع کیلئے چند اشعار حاضر ہیں۔

لَمْ یَاتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثل تو نہ شُد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا
اَلْبَحْرُ عَلَا وَالْمَوْجُ طَغٰی من بے کس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں، بگڑی ہے ہوا، موری نیا پار لگا جانا
یَا شَمْسُ نَظَرْتِ اِلٰی لَیْلِیْ، چوں بہ طیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی، مری شب نے نہ دن ہونا جانا

طباق

کلام میں دو ایسے لفظوں کا استعمال جن کے معنیٰ میں تضاد ہو، اسے صنعتِ تضاد، مطابقت، تقابل، تطبیق اور تکافو بھی کہتے ہیں، جیسے

نہ آسمان کو یوں سر کشیدہ ہونا تھا
حضورِ خاکِ مدینہ خمیدہ ہونا تھا

(رضا بریلوی)

جب آ گئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں
جلتے بجھا دیے ہیں، روتے ہنسا دیے ہیں

(رضا بریلوی)

سفینۂ بخشش میں صنعتِ طباق کی جلوہ ریزیاں کثرت سے ہیں، یہ حضرت اختر بریلوی کی فنی مہارت کا واضح ثبوت ہے۔ چند مثالیں قارئین کے حوالے

ان پہ مرنا ہے دوامِ زندگی
موت سے پھر کیوں نہ الفت کیجئے
میرے دن پھر جائیں یا رب، شب وہ آئے خیر سے
دل میں جب ماہِ مدینہ گھر بنائے خیر سے
دارِ فانی سے کیا غرض اس کو
جس کا عالم قرار کا عالم

فلک شاید زمیں پر رہ گیا خاکِ گزر بن کر
بچھے ہیں راہ میں اختر، مدینہ آنے والا ہے
رات میری دن بنے ان کی بقائے خیر سے
قبر میں جب ان کی طلعت جگمگائے خیر سے
تم نے اچھوں پہ کیا ہے خوب فیضانِ جمال
ہم بدوں پر بھی نگاہِ لطف سلطانِ جمال

مقابلہ

کلام میں دو یا دو سے زائد ایسے الفاظ استعمال کرنا جن کے معنیٰ میں تضاد نہ ہو، پھر ترتیب وار ان کے مقابل اور متضاد الفاظ کا ذکر کرنا، جیسے

دندان و لب و زلف و رخِ شہ کے فدائی
ہیں درِ عدن، لعلِ یمن، مشکِ ختن پھول

(رضا بریلوی)

مصرع اولی میں دندان، لب، زلف اور رخ کا ذکر کیا گیا ہے، جن کی آپس میں مناسبت ہے۔ دوسرے مصرعے میں ”دندان“ کے مقابلے میں ”درِ عدن“، ”لب“ کے مقابلے میں ”لعلِ یمن“، ”زلف“ کے مقابلے میں ”مشکِ ختن“ اور ”رخ“ کے مقابلے میں ”پھول“ کا ذکر ہے۔

حضرت اختر بریلوی کے کلام میں صنعتِ مقابلہ کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں

میرے دن پھر جائیں یا رب، شب وہ آئے خیر سے
دل میں جب ماہِ مدینہ گھر بنائے خیر سے

اس شعر کے پہلے مصرعے میں ”دن“ اور ”شب“ کا ذکر کیا گیا، پھر دن کے مقابلہ میں پھر جائیں اور ”شب“ کے مقابلے میں آئے ذکر کیا گیا ہے۔

خلد زارِ طیبہ کا اس طرح سفر ہوتا
پیچھے پیچھے سر جاتا، آگے آگے دل جاتا

اس شعر کے دوسرے مصرعے میں ”سر“ اور ”دل“ کا ذکر ہوا ہے، پھر ترتیب وار سر

کے مقابلے میں ''پیچھے پیچھے'' اور دل کے مقابلے میں '' آگے آگے'' کا ذکر ہوا ہے۔

حسنِ تعلیل

کسی چیز کی مشہور علت کا انکار کرتے ہوئے اس کیلئے اپنے مقصد کے مناسب کوئی دوسری علت ثابت کرنا، جیسے

ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہِ کامل کو
سلامِ ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

(رضا بریلوی)

پہلے چاند کے خمیدہ نظر آنے کی علت یہ ہوتی ہے کہ سورج کی شعاع قمر پر اس انداز سے پڑتی ہے کہ اس کا ایک خاص رقبہ ہی روشن ہوتا ہے، جو زمین سے بہ شکلِ خمیدہ ہلال نظر آتا ہے، مگر شعر میں اس سے ہٹ کر اس کی ایک ایسی لطیف وجہ بیان کی گئی ہے جس سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق کی دنیا عالمِ وجد میں آ جاتی ہے۔ اس شعر میں دقت آفرینی کے ساتھ بلند خیالی لائق صد تحسین ہے۔

(تشریح از کشف بردہ، ص:۱۰۶، از: مولانا نفیس احمد مصباحی، المجمع القادری، مبارک پور)

حضرت اختر بریلوی کے یہاں بھی اس صنعت میں اشعار ملتے ہیں۔ درج ذیل شعر حسنِ تعلیل کی بہترین مثال ہے

جھک کے مہر و ماہ گویا دے رہے ہیں یہ صدا
دو سرا میں کوئی تم سا دوسرا ملتا نہیں

مہر و ماہ کا آسمان پر بلند ہونا اور جھکنا نظامِ کائنات کی وجہ سے ہے، لیکن اس شعر میں جھکنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ یہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں جھک جھک کر یہ عرض کر رہے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہاں میں آپ جیسا بلند رتبہ کوئی نہیں۔ یہ ندرت بیانی اور بلند خیالی کا بہترین نمونہ ہے۔

حسنِ تعلیل کی دوسری مثال:

جھکے نہ بارِ صد احساں سے کیوں بنائے فلک
تمہارے ذرے کے پرتو ستارہائے فلک

دنیا گول ہے، اس لئے دیکھنے میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آسمان چاروں طرف جھکا ہوا ہے۔ لیکن حضرت اختر بریلوی نے آسمان کے جھکنے کی یہ علت بیان کی کہ رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذروں کے پرتو ستاروں کی شکل میں آسمان پر جلوہ باز ہو گئے ہیں۔ آقا کے اس بار احسان کی وجہ سے آسمان ہمیشہ جھکا ہوا رہتا ہے۔ یہ ایک نادر علت ہے، جو حقیقی نہیں، بلکہ شاعرانہ اور ادیبانہ علت ہے جو شاعری میں حسن و جمال کا سبب ہوتی ہے۔

مراعات النظیر

شعر میں ایسے الفاظ کا استعمال جن کے معانی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں۔ جیسے چمن کے ذکر کے ساتھ گل و بلبل، سرو و قمری، بادِ صبا، باغباں یا گل چیں وغیرہ کا ذکر کرنا، یا کسی چیز میں اس کے مناسبات بیان کرنا، جیسے:

دولہا سے اتنا کہہ دو، پیارے سواری روکو
مشکل میں ہیں براتی پرخار بادیے ہیں

(رضا بریلوی)

کلامِ اختر میں مراعات النظیر کے گل ہائے خوش رنگ بھی اپنی خوشبو بکھیر رہے ہیں، قارئین درج ذیل اشعار سے اس صنعت کی خوشبو ضرور پائیں گے۔

ہو مجھے سیر گلستانِ مدینہ یوں نصیب
میں بہاروں میں چلوں خود کو گمائے خیر سے

جانِ گلشن نے ہم سے منہ موڑا
اب کہاں وہ بہار کا عالم
اب کہاں وہ چھلکتے پیمانے
اب کہاں وہ خمار کا عالم

فرش آنکھوں کا بچھاؤ رہ گزر میں عاشقو!
ان کے نقشِ پا سے ہو گے مظہر شانِ جمال

فلک شاید زمیں پر رہ گیا خاک گزر بن کر
بچھے ہیں راہ میں اختر، مدینہ آنے والا ہے

تلمیح

کلام میں کسی آیت، حدیث، مشہور شعر، کہاوت، یا کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہو، جیسے

اشارے سے چاند چیر دیا، چھپے ہوئے خور کو پھیر دیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا، یہ تاب و تواں تمہارے لئے

(رضا بریلوی)

اس شعر میں واقعۂ شق القمر اور واقعۂ مقام صہبا کی طرف اشارہ ہے۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے ترا، ذکر ہے اونچا تیرا

(رضا بریلوی)

اس شعر میں قرآن کریم کا حوالہ ہے۔

مَنْ زَارَ تُرْبَتِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ
ان پر درود جن سے نوید ان بشر کی ہے

(رضا بریلوی)

اس شعر میں حدیث شریف کا حوالہ ہے۔

جب آپ حضرت اختر بریلوی کے اشعار دیکھیں گے تو ان میں آپ کو صنعتِ تلمیح کی متعدد مثالیں اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ جلوہ بار نظر آئیں گی، جو آپ کی فنی مہارت اور علمی جلالت کا واضح ثبوت ہیں۔ درج ذیل اشعار میں صنعتِ تلمیح کا حسن و جمال دیکھا جا سکتا ہے

ان کی رفعت واہ واہ، کیا بات اختر دیکھ لو
عرشِ اعظم پر بھی پہنچیں ان کی برتر ایڑیاں

اس شعر میں معراجِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔

تیری جاں بخشی کے صدقے اے مسیحائے زماں
سنگ ریزوں نے پڑھا کلمہ ترا جانِ جمال
غم شاہِ دنیٰ میں مرنے والے، تیرا کیا کہنا
تجھے لَا تَحْزَنُوْا کی تیرے مولا سے بشارت ہے

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

(پ:۴، آل عمران، آیت:۱۳۹)

ترجمہ: اور سستی نہ کرو اور نہ غم کھاؤ، تمہیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔

(کنز الایمان)

مذکورہ بالا شعر میں "لَا تَحْزَنُوْا" سے اسی آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے۔
درج ذیل شعر میں بھی قرآن کریم کا نفیس حوالہ موجود ہے۔

نازشِ عرش و وقارِ عرشیاں صاحبِ قوسین و ادنیٰ آپ ہیں

اس شعر میں اشارہ ہے: "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○" کی طرف، جس کا مطلب یہ ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا قربِ خاص حاصل ہے۔ جس سے آپ کی شان رفیع اور مقامِ بلند کا پتا چلتا ہے۔

مسمط

یہ صنعت عموماً لمبی بحر میں ہوتی ہے۔ ہر شعر میں تین، تین ٹکڑے ہم قافیہ ہوتے ہیں، جیسے:

ماہ شق گشتہ کی صورت دیکھو، کانپ کر مہر کی رجعت دیکھو
مصطفیٰ پیارے کی قدرت دیکھو، کیسے اعجاز ہوا کرتے ہیں

(رضا بریلوی)

حضرت اختر بریلوی کا یہ شعر صنعتِ مسمط کی بہترین مثال ہے

گلوں کی خوشبو مہک رہی ہے، دلوں کی کلیاں چٹک رہی ہیں
نگاہیں اٹھ اٹھ کے جھک رہی ہیں، کہ ایک بجلی چمک رہی ہے

مذکورہ بالا سطور میں صنائع، بدائع کے حوالے سے حضرت اختر بریلوی مدظلہ العالی کے کلام کا سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے، جو چند صنعتوں پر مشتمل ہے، اگر دقتِ نظر سے تجزیہ کیا جائے تو تمام صنعات بدیعیہ سے متعدد مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

☆☆☆

کیا مروجہ نقاب سے شرعی پردہ کے تقاضے پورے ہوتے ہیں؟

ماڈرن حجاب۔ چہرہ بے نقاب

از: مفتی سید ضیاء الدین نقشبندی قادری، شیخ الفقہ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

معاشی اور مادی ترقی نے انسان کو پرندہ جیسی اڑان سکھادی لیکن شریعت کی سرزمین پر قدم جمانا ابھی تک صحیح طور پر نہ آسکا، احکام اسلام پر عمل آوری اور استقامت فی الدین کے میدان میں مسلمان روز بروز روبہ پستی ہورہے ہیں، ماڈرن زمانہ اور اس کی تہذیب نے دلوں پر اپنا نقشہ جمالیا، یہ وہ دور ہے کہ جس میں اسلامی شعار و عبادات و معمولات بھی بطور فیشن اور براہ عادت ادا کئے جارہے ہیں۔

فی زمانہ پردہ بھی مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے، ضعیف العمر خواتین یا پچاس، پچپن سال کی عمر تجاوز کرنے والی خواتین عموماً پردہ کا التزام نہیں کرتیں، اور دینی اسلامی ماحول میں تربیت یافتہ باعزت خواتین سراپا پردہ کرتی ہیں، جن عورتوں اور لڑکیوں پر مغربی دنیا نے اپنی چھاپ بٹھادی ہے وہ تو حجاب کو موت سے زیادہ خطرناک سمجھتی ہیں، ان سب اقسام کے علاوہ ہمارے معاشرہ میں کچھ ماڈرن خیالات والی ایسی دوشیزائیں ہیں جو یہ سمجھتی ہیں کہ سوئے قسمت سے وہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئیں، وہ سمجھتی ہیں کہ انہیں والدین اور مسلمان معاشرہ نے قید کردیا، نہ وہ آزادی کے پنجرہ میں قید ہوسکتی ہیں اور نہ ہی پردہ میں رہنے کی مکمل آزادی کو پسند کرتی ہیں، اسی لئے حسب موقع جب کوئی روک لگانے والا یا ٹوکنے والا نہیں ہوتا تو جھوٹی آزادی کی امنگ جاگ اٹھتی ہے جو درحقیقت قید خانہ سے کچھ کم نہیں اور وہ دوشیزائیں اپنے آپ کو بے حجابی کے شکنجہ میں جکڑ لیتی ہیں، اور جب باعزت، شریف مرد وخواتین کی محافل یا ان کی معیت میں رہتی ہیں تو بادل ناخواستہ بدن پر برقعہ تو ڈال لیتی ہیں لیکن چہرہ چھپانا انہیں گوارہ نہیں ہوتا، پردہ کی اس آزادی کو وہ قید تصور کرتی ہیں، عقل وفہم کی ماری، بے چاری ہماری ان بہنوں کو کون سمجھائے کہ عورت جب تک پردہ

میں رہتی صرف ایک کپڑے میں قید رہتی ہے، یہ وہ قید ہے جس نے کئی قسم کی بیڑیوں اور بے حیائی و بے عزتی کی زنجیروں سے آزاد کیا، اور جس بے پردگی کو وہ آزادی سمجھ رہی ہیں اس نام نہاد آزادی نے کئی درندوں اور وحشی نگاہ رکھنے والوں کی نظروں میں قید کردیا، انسانی بدن میں چہرہ اشرف الاعضا ہے، انسان کا حسن و جمال، ملاحت ورنگت اسی سے ظاہر ہوتی ہے، چنانچہ خواتین کا چہرہ بھی پردہ میں شامل کیا گیا۔

چہرہ کا حجاب، قرآن کریم سے ثبوت

چہرہ کھلا رکھنے کی صورت میں فتنہ بھڑکتا اور فساد برپا ہوتا ہے، اور مردوں کی نظریں منتشر ہوتی ہیں، جس کا نتیجہ بے حیائی، فسق وفجور کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، مرد و زن اجنبیت کے باوجود جب جنسی تعلقات رکھتے ہیں تو معاشرہ بے شمار خرابیوں کا ٹھکانہ بنتا ہے، نسب میں اختلاط ہوتا ہے، حرام وحلال رشتوں کی تمیز ختم ہوتی ہے اور نہ جانے کیا کیا فساد پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ اللہ رب العزت نے عورتوں کو جسم بشمول چہرہ چھپانے کا حکم دیا، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (الاحزاب:59)

ترجمہ: اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں اور جملہ مسلمان عورتوں سے فرمادیجئے کہ وہ اپنی چادریں بدن پر ڈال لیں۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے پردہ اور لفظ جلباب کی جو تفسیر کی اس سے ظاہر ہے کہ چہرہ بھی اس میں شامل ہے اور اس کو چھپانا عورت کیلئے لازم ہے، جیسا کہ صاحب تفسیر خازن علامہ ابوالحسن علی بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

جمع جلباب وهو الملاءة التى تشمل بها المرأة فوق الدرع والخمار۔

ترجمہ: جلباب کی جمع جلابیب ہے، یہ وہ چادر ہے جس سے عورت اپنی اوڑھنی اور لباس چھپاتی ہے۔ (تفسیر الخازن، الاحزاب:59)

چہرہ تو ڈھانکنا ہے، بلاضرورت دو آنکھیں بھی کھلی نہیں رکھنی چاہئیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا: عورتیں جب گھر سے نکلیں تو سر کے اوپر سے ایسی چادر پہن لیں کہ جس سے چہرہ بھی چھپا رہے حتیٰ کہ وہ آتے جاتے ایک آنکھ سے دیکھیں۔ چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر در منثور میں لکھا ہے:

عن ابن عباس رضی الله عنهما فی هذه الآیة قال: أمر الله نساء المؤمنین اذا خرجن من بیوتهن فی حاجة ان یغطین وجوههن من فوق رؤوسهن بالجلابیب ویبدین عینا واحدة ۔

(الدر المنثور، الاحزاب:59)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فرمان میں چند اہم باتیں یہ ہیں:

(1) بلاضرورت شرعی عورت کو گھر سے نکلنا نہیں چاہئے، سخت حاجت درپیش ہو اور کوئی مرد وہ کام انجام نہ دے سکے تو بحالت مجبوری عورت کو نکلنے کی اجازت ہے یا وہ اپنے کسی محرم کے ساتھ نکلے، تاکہ فتنوں کا سد باب ہو۔ (2) عورت گھر سے نکلے تو چہرہ چھپا کر نکلے، Nose Piece فی زمانہ معیوب سمجھا جا رہا ہے، ماڈرن خواتین وحضرات یہ تصور بٹھائے ہوئے ہیں کہ جاہل، پرانے خیالات والی عورتیں Nose Piece لگاتی ہیں، خاص طور پر ایجوکیٹیڈ لڑکیاں اس سے دور رہتی ہیں، ہماری ماڈرن حجاب کی دلدادہ بہنیں ذرا غور کریں! کیا قرآنی تعلیم پر عمل آوری جہالت ہے؟ یہ تصور کسی یہود ونصرانی عورت کا ہوتا تو کوئی تعجب نہ تھا! لیکن افسوس کہ اپنا نام مسلمان رکھنے والی، رسمی عبادات کا اہتمام کرنے والی عورتوں میں بھی یہ باطل تخیلات پیدا ہو چکے ہیں۔ (3) اسلام نے پردہ سے متعلق انتہائی احتیاط والی تدبیر یہاں تک بتا دی کہ بحالت پردہ عورت اگر ایک آنکھ کھلی رکھے ہوئے اپنی حاجت وضرورت پوری کر سکے تو اجنبی مردوں کے سامنے اور بازار میں دو آنکھ

کھلی نہ رکھے بلکہ ایک پر پردہ ڈالے اور دوسری کھلی رکھے۔

رنگ برنگے برقعے، نئے دور کی پیداوار

حجاب اور برقعہ اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ مسلمان خواتین فتنہ وفساد کی لپیٹ میں نہ آسکیں، وہ اپنی آبرو اور مرد اپنی نظروں کی حفاظت کر سکیں، چنانچہ برقعہ جتنا سادہ اور معمولی کپڑے کا ہو اتنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ زرق برق اور رنگینیاں مرد کی آنکھ ہی نہیں دل بھی موہ لیتی ہیں، اسی لئے صحابیات کی پاکباز حیات میں انہوں نے کالے اور سیاہ رنگ والے برقعے پہنے، وہاں رنگ برنگی، خوب دلکش کشیدہ کاریوں والے برقعوں کا وجود بھی نہ تھا۔

چنانچہ تفسیر در منثور میں اسی آیت کے تحت منقول ہے:

عن ام سلمة رضی الله عنها قالت: لما نزلت هذه الآیة يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ط خرج نساء الأنصار كان على رؤوسهن الغربان من أكسیه سود یلبسنها ۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرمایا: جب یہ آیت کریمہ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ط نازل ہوئی تو انصار صحابیات ضرورت پر اس طرح نکلتیں گویا کہ ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہوں اور وہ کالے برقعے اوڑھی ہوتیں۔ (الدر المنثور، الاحزاب:59)

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا برقعہ سیاہ رنگ والا ہو، اسی میں صحابیات کی سنت پر عمل آوری ہوگی اور عورتیں باہر نکلیں تو بلاضرورت ادھر ادھر دیکھتی نہ رہیں بلکہ (سفر در وطن، نظر بر قدم) کا مصداق بن کر چلیں، بلاوجہ تفتیش کیلئے چار جانب دیکھنا حیا کے خلاف ہے۔

چہرہ کا حجاب باندیاں نہیں کرتیں

قدیم زمانے میں جبکہ مرد وخواتین کو غلام اور باندی بنا لیا جاتا تھا اور ان کا وجود بکثرت پایا جاتا تھا، آزاد وغلام میں فرق ملحوظ رکھتے ہوئے اسلام نے ان کے حسب طاقت و استطاعت دونوں کے احکام جداگانہ بیان کئے، چنانچہ پردہ کا حکم آیا تو آزاد خواتین کو تمام جسم چھپائے رکھنے کا حکم دیا اور باندیوں کو چہرہ نہ چھپانے میں رخصت دی گئی تاکہ آزاد اور

باندی پہچانی جائے، اس کے علاوہ باندیاں چونکہ خدمت کیلئے ہوتی ہیں، زیادہ پابندیاں انہیں اپنے مالک کی خدمت کیلئے خلل نہ بن سکیں، اس لئے بھی باندیوں کے احکام آزاد عورتوں سے کچھ مختلف ہیں، انہیں احکام میں سے چہرہ کا حجاب ہے کہ باندی پچھلے دور میں بھی چہرہ پر پردہ نہیں ڈالتی تھی، Nose Piece لگانا اس کا شعار اور علامت نہ تھی، دور جاہلیت سے باندی کی یہ عادت رہی کہ وہ چہرہ نہیں چھپاتی، جیسا کہ روایات میں آیا ہے: منافقین اور فاسق رات کے وقت جب اندھیرا ہو جاتا تو تنگ سڑکوں پر نکل آتے، رات میں جب عورتیں ضرورت کیلئے جاتیں تو انہیں عورتوں کو چھیڑا کرتے جن کے چہرہ پر نقاب نہ ہوتا کہ یہ باندی کی علامت تھی اور جن عورتوں نے چہرہ پر نقاب ڈال رکھا ہو یہ کہہ کر ان سے اجتناب کرتے کہ یہ آزاد عورتیں ہیں، چنانچہ حضرت سعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال كان أناس من فساق أهل المدينة بالليل حين يختلط الظلام يأتون الى طرق المدينة فيتعرضون للنساء وكانت مساكن أهل المدينة ضيقة فاذا كان الليل خرج النساء الى الطرق فيقضين حاجتهن فكان أولئك الفساق يتبعون ذلك منهن فاذا رأوا امرأة عليها جلباب قالوا: هذه حرة فكفوا عنها واذا رأوا المرأة ليس عليها جلباب قالوا: هذه أمة فوثبوا عليها ۔ (الدر المنثور، احزاب:59)

مذکورہ روایت کو سامنے رکھتے ہوئے غور کیا جائے کہ پچھلے زمانہ میں چہرہ نہ ڈھانکنے والیوں کا جو انجام سر بازار ہوتا تھا آج بھی وہی دور جاری ہے، چہرہ پر Nose Piece لگانے والیوں کی جو اکرام اور جو عزت آج کی جاتی ہے سابقہ زمانہ میں بھی یہی طریقہ جاری تھا، انہیں عزت دار سمجھ کر اوباش وشریر غنڈے بھی راہ نہیں روکتے تھے، پتا چلا کہ پردہ وہ دوا ہے جس کا اثر اشرار پر بھی ہوتا ہے اور حجاب وہ پانی ہے جس کے سامنے شرم کے مارے غنڈے بھی پانی پانی ہوجاتے ہیں۔

چہرہ پر اوڑھنی باندھنے کا طریقہ

آیت کریمہ میں جلباب اوڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا طریقہ کیا ہے؟ یہ جاننے کیلئے

جب ہم کوشش کرتے ہیں تو ہمارے سلف کی یہ تعلیم سامنے آتی ہے، حضرت علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبیدہ سلمانی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا کہ جلباب کیسے باندھتے ہیں؟ آپ نے یہ عملی طور پر بتایا، پہلے تو آپ نے اپنا رومال سر پر رکھ کر اس کو تمام سر پر لپیٹ لیا، اس طرح کہ سارے بال چھپ گئے، اور وہ رومال آنکھوں کی بھنوؤں تک لپیٹا، پھر رومال کے دوسرے حصہ سے منہ ڈھانک لیا، پھر بائیں آنکھ پر سے تھوڑا سا رومال ہٹا دیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: عورت سر پر سے جو اوڑھنی اوڑھے اس سے اپنا چہرہ اور سینہ بھی چھپائے۔ (تفسیر روح المعانی، الاحزاب:59)

صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کے بتائے ہوئے طریقہ سے ظاہر ہے کہ وہ اوڑھنی جو سر پر ڈالی جاتی ہے۔ وہ زیادہ کشادہ اور بڑی ہونی چاہئے تاکہ اس سے سر کے تمام بال کپڑے کے ماتحت آجائیں اور چہرہ بھی ڈھکا رہے اور سینہ بھی چھپا رہے۔ اوڑھنی اتنی چھوٹی اور تنگ نہ ہو کہ سر کے چھوٹے ہوئے بالوں کو بھی وہ گھیر نہ سکے، اور چہرہ کا کچھ حصہ بھی کھلا رہے، اس بے حیائی کے زمانہ میں چھوٹی، تنگ دامن اوڑھنیوں کا چلن اپنے عروج پر ہے جو سراسر اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔

کچھ مانگنا ہے تو پردے کے پیچھے سے

سورۂ احزاب کی آیت نمبر:53 میں مؤمنین کو یہ حکم ملا کہ امہات المؤمنین سے تمہیں کچھ لینا ہے یا شرعی مسائل جاننا بھی ہے تو حجاب کے پیچھے سے پوچھو، حصول علم بھی مقصد ہو تو صحابہ کرام کو امہات المؤمنین سے پردے کے پیچھے رہ کر بات کرنے کی اجازت دی گئی جبکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات تمام مؤمنین کی مائیں ہیں، یہاں کسی فتنہ کا وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا، جب حفظ وامان کے قلعوں اور پاکدامنی وعفت کے پیکر امہات المؤمنین وصحابہ کرام کو یہ حکم ملا، تو سراپا فتنوں کے اس زمانہ میں پردہ کی کتنی سخت ضرورت ہے، آج پردہ کی جتنی اشد ضرورت ہے اس سے زیادہ بے پردگی عام کی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط (الاحزاب:53)

ترجمہ: یعنی جب تم امہات المؤمنین سے کچھ پوچھو تو پردے کے پیچھے سے پوچھو۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں امام ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر بحر العلوم میں فرماتے ہیں:

ولا تدخلوا علیهن واسالوا هن خلف الستر ویقال خارج الباب ۔

ترجمہ: ان کے پاس اندر نہ جاؤ، پردے کے پیچھے سے اور دروازہ کے باہر سے جو پوچھنا ہو پوچھ لو۔ (بحر العلوم، الاحزاب:53)

لفظ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ نے واضح کر دیا کہ عورت کا چہرہ بھی پردہ ہے، جس طرح سارے بدن کا پردہ عورت پر ضروری ہے، چہرہ کا حجاب بھی اسی قبیل سے ہے، از روئے فیشن چہرہ کھلا رکھنا فتنہ وفساد کو دعوت دینے اور بے حیائی عام کرنے میں مددگار بنتا ہے۔

صحابہ کرام کا بھی یہی منشا اور مسلک رہا ہے کہ خصوصاً امہات المؤمنین اور عموماً تمام مسلم خواتین سے کوئی اجنبی وغیر محرم مرد بے حجاب نہ ملے، چنانچہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اکثر یہ بات ناگوار گزرتی تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ دولت میں مسلمان امہات المؤمنین کی موجودگی میں بھی آیا جایا کرتے تھے، یہ دیکھ کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: **یا رسول اللہ! یدخل علیك البر والفاجر فلو امرت امهات المؤمنین بالحجاب فانزل الله اية الحجاب ۔** ترجمہ: یا رسول اللہ! آپ کی خدمت میں اچھے اور برے آتے رہتے ہیں، میری گزارش ہے کہ امہات المؤمنین کو آپ پردہ اختیار کرنے کا حکم فرمائیں۔ (صحیح البخاری، حدیث نمبر:4483)

لفظ حجاب اپنے عموم کے لحاظ سے تمام بدن پر شامل ہے اور اس میں چہرہ بھی داخل ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ (پردہ کے پیچھے سے) کا حکم فرمایا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عورت کا چہرہ ستر میں داخل ہے، دیگر اعضائے بدن کی طرح چہرہ کا پردہ بھی ضروری ہے، چہرہ کھلا رہنے کی وجہ سے کئی مفاسد پیدا ہوتے ہیں، ہر مسلمان مرد و عورت پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی کیلئے زندگی گزارا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

جدید حجاب

از: مولانا محمد عابد چشتی

اسلامی نقطۂ نظر سے اگر معاشرہ میں بڑھتی بے حیائی، بے تہذیبی، نیز جنسی واردات اور دیگر غیر اخلاقی جرائم کی بات کی جائے تو ان کے اسباب کا ایک بڑا حصہ صنف نازک کی بے احتیاطیوں کے گرد گردش کرتا ہے، خاص کر ان کی بے پردگی اور حسن وزینت کی نمائش کی للک کا رول کافی اہم ہے، اس لئے کہ بے پردگی ہی سے معاشقت اور غیروں سے شناسائی کی راہ ہموار ہوتی ہے، جو آگے چل کر جنسیت اور شہوت رانی کی حدود میں داخل ہو کر معاشرہ کو تعفن زدہ بنا دیتے ہیں، انہیں امور کو مد نظر رکھ کر اسلام نے خواتین کو پردہ میں رہنے کا واجبی حکم دیا ہے اور پردہ کی یہی روایت اسلام کی ایک نمایاں تہذیبی علامت کے طور پر بھی متعارف ہے، ذیل کی سطور میں ہم پردہ کے تعلق سے کچھ نئے پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہیں۔

قرآن پاک اور احادیث کے مطالعہ سے اتنا ضرور پتا چلتا ہے کہ عورتوں کے پردہ کے تعلق سے شرعی طور پر کوئی خاص کپڑا متعین نہیں ہے، ہاں مجموعی حیثیت سے اسلامی مزاج کا اتنا مطالبہ ضرور ہے کہ عورتوں کا پرسنل سنگھار اور زینت غیروں پر ظاہر نہ ہو، بھڑکیلے قسم کے لباس کا استعمال نہ کریں کہ خواہ مخواہ لوگوں کی نظریں اٹھیں، اور نہ کپڑے اتنے چست ہوں کہ اعضائے بدن کا نشیب وفراز ظاہر ہو اور موجودہ حالات کے پیش نظر وہ کپڑا چہرے کے ساتھ ساتھ پورے بدن کو ڈھکنے کی صلاحیت رکھتا ہو، یہ اسلامی پردے کی کامل صورت ہے، جس کے التزام کیلئے قدیم زمانہ میں خواتین موٹی اور دبیز قسم کی چادریں یا جلباب کا استعمال کرتی تھیں، جس کو پہننے میں کچھ تکلف سے کام لینا پڑتا تھا، اس کے بعد مزید سہولیات کے ساتھ شہروں اور قصبوں میں رائج کالے رنگ کے حجاب وجود میں آئے، جس نے بہت تیزی

سے پردہ پسند خواتین کے درمیان مقبولیت حاصل کر لی، اور اب اکثر خواتین انہیں حجاب یا نقاب کا استعمال کرتی ہیں، اس لئے کہ یہ آرام دہ، ڈھیلے ڈھالے اور سادہ ہونے کے ساتھ ساتھ اضافی تکلف سے خالی ہوتے ہیں! خیر یہ بات سب جانتے ہیں اور جیسا کہ ضمناً ہم نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ نقاب پوشی کا بنیادی مقصد یہی رہا ہے کہ خواتین کی زینت، حسن یا جسم کی تکمیل کیلئے مروجہ نقاب کا کوئی بدل نہیں ہے، مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ زمانہ کی رفتار کے ساتھ جس طرح دوسری چیزیں اپنے مقصد سے بے گانہ ہوتی جارہی ہیں، اسی طرح اب حجاب اور نقاب پوشی کا چلن مذکورہ مقاصد کے بجائے فیشن کے طور پر عام ہوتا جارہا ہے۔ جو بہر حال تشویشناک بات ہے۔ اب شہروں میں اس طرح کی نقاب پوش دوشیزائیں بکثرت دیکھی جاسکتی ہیں کہ اگر وہ عام حالت میں گھر سے نکلتیں تو شاید ان پر اتنی توجہ نہ ہوتی جتنی کہ نقاب پہننے کے بعد لوگ ان کے حجاب کی بناوٹ، خوبصورتی، تزئین کاری اور گل بوٹے دیکھ کر محظوظ ہوتے ہیں، جو بلاشبہ حجاب کے مقصد کے خلاف ہے، اگر چہ ہم اعتراف کرتے ہیں کہ جو خواتین ماڈرن حجاب کا استعمال کرتی ہیں، وہ بالکلیہ لعن وطعن کی مستحق بہر حال نہیں ہیں، بلکہ ان خواتین کے بالمقابل وہ حوصلہ افزائی اور تعریف کے لائق ہیں جو اپنی زندگی میں بے پردگی کو ترجیح دیتی ہیں، اس لئے کہ غیر ارادی طور پر سہی ایسی خواتین اپنی عفت کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی بڑھتی بے حیائی کے خلاف بھی خاموش احتجاج کر رہی ہیں، جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ تاہم سچی بات یہی ہے کہ یہ خواتین اگر واقعی دینی جذبہ اور مذہبی خلوص کے ساتھ اسلامی پردہ کا اہتمام کرنا چاہتی ہیں، اور چاہتی ہیں کہ دوسروں کی نگاہیں ان پر نہ پڑیں تو وہ خود فیصلہ کرسکتی ہیں کہ رنگ برنگے اور موتیوں سے جڑے ان ماڈرن حجابوں سے ان کا مقصد کس حد تک پورا ہو رہا ہے؟ دراصل ماڈرن حجاب کا استعمال زیادہ تر ان خواتین میں بڑھ رہا ہے جن کی طبیعت میں کچھ لاابالی پن ہے، اور جو سماجی، خاندانی، یا پھر دوسرے خارجی دباؤ میں آکر حجاب کا استعمال کر لیتی ہیں، چونکہ ان کی نیت میں اخلاص نہیں ہوتا ہے، اس لئے ایسی عورتیں جدید اور ماڈرن قسم کے حجاب کو ترجیح دیتی ہیں اور ایسی ہی خواتین کی نفسیات پر نظر رکھ کر ان کو لبھانے اور مائل کرنے کیلئے

کمپنیاں ہزاروں قسم کے حجاب ڈیزائن کر رہی ہیں، اور اب دوکانوں میں دستیاب حجاب کی جتنی بھی اقسام ہیں، مثلاً امینہ، گل، سمیرہ، عاکفہ، فرشتہ، گلاب، حسینہ، خوشبو، فائزہ، آفتاب، الامیرہ، عائشہ، یسریٰ، سیدہ، اشراف اور East of Arabia Burqa وغیرہ سینکڑوں قسم کے حجاب اور برقعہ ان میں ہر ایک اس قدر پرکشش، مزین اور پھول پتی سے لیث ہے کہ یہ بذات خود ایک خوبصورت لباس معلوم ہوتے ہیں، یعنی جس چیز کو داخلی زینت چھپانے کیلئے استعمال کیا جاتا تھا، اب وہ خود مستقل زینت کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے، نیز اس کے علاوہ یہ بھی بتادیں کہ یہ جدید حجاب اتنے چست اور فٹ دستیاب ہو رہے ہیں کہ جن سے بدن کی ہیئت بالکل صاف ظاہر ہوتی ہے۔

مختصر یہ کہ ماڈرن حجابوں میں عموماً پردے کے دو اہم مقاصد کی کامل تکمیل نہیں ہو رہی ہے، اس لئے ایسے حجاب زیب تن کرنے کی ترغیب کسی صورت میں نہیں دی جاسکتی ہے۔

اگر اس تحریر کو اسلام کی باحیا مائیں بہنیں پڑھ رہی ہوں تو میری ان سے گزارش ہے کہ اس طرح کے نقاب، حجاب، عبا پہننے سے احتیاط کریں اور اگر واقعی ان کا مقصود پردہ ہے تو سادہ قسم کے پرانے ماڈل کے کشادہ اور وسیع حجابات کا استعمال کریں، یہی ان کی دنیا و آخرت نیز معاشرہ کیلئے بہتر ہے۔

☆☆☆

غوثِ اعظم بہ منِ بے سروساماں مددے

تیرگی حد سے بڑھی اے مہِ تاباں مددے رات کٹتی ہی نہیں مہرِ درخشاں مددے
سخت آزار ہیں اے عیسیٰ ءِ دوراں مددے غوثِ اعظم بمنِ بے سروساماں مددے
قبلۂ دیں مددے کعبۂ ایماں مددے

شوقِ منزل لئے آیا ہوں بایں چشم نمے ہو کرم راہِ طلب میں ذرا پاؤں تو جمے
اور کرم آپ کا وہ جو نہ تھما اور نہ تھمے مہبطِ فیضِ ابد گوشہ ءِ چشمِ کرمے
مظہرِ سرِ ازل واقفِ پنہاں مددے

فکرِ فردا غم ہستی، غمِ سوزِ پنہاں بن گئے ہیں مرے افسانہ ءِ غم کا عنواں
مرحلے زیست کے کر دیجئے مجھ پر آساں گشتہ ام برگِ خزاں یدۂ آشوبِ جہاں
اے بہارِ کرم و گلشنِ احساں مددے

اس حقیقت میں تذبذب نہ کوئی چون و چرا کر دیا آپ نے گلزارِ محبت کو ہرا
بادۂ حُبِ نبی سے مرے ساغر کو بھرا نبود در دو جہاں جز تو مددگارِ مرا
مددے اے قدمت برسر پاکاں مددے

آپ ہر پیچ و خمِ راہِ طلب کے محرم آپ کی راہبری میں نہ کوئی خوف نہ غم
راہ کر دیجئے آسان بہ یک چشمِ کرم آہ از قافلۂ اہلِ دلاں بس دورم
ناقہ اَم را نبود جز تو حدی خواں مددے

درمیاں سے اگر اٹھ جائے دوئی کی چلمن سازِ وحدت سے ہم آواز ہو دل کی دھڑکن
روح سرشار ہو، دل شاد ہو، آنکھیں روشن خاکِ بغداد بود سرمۂ بینائی من
دیدہ ام را چہ کند کحل صفاہاں مددے

ہو عطا بادۂ رحمت کا مجھے کیف و سرور قلب مسرور ہو اور چشمِ تمنا مخمور
ورنہ یہ نالہ زباں پر مری آئے گا ضرور ذرہ ام چند طپد در شبِ ظلمت بے نور
صبح رحمت کرمے مہرِ درخشاں مددے

بادۂ حُبِ نبی کی مجھے دیدے مستی رہے آباد اسی یاد سے دل کی بستی
دستگیری میں مسلّم تری بالا دستی ما گدایم تو سلطانِ دو عالم ہستی
از تو داریم طمع اے شہِ جیلاں مددے

آپ ہر رمز کے ہر رازِ دروں کے محرم جو غلام آپ کا ہو اس کو کوئی خوف نہ غم
ہو کرم اس پہ جو رکھتا یہ احساس بہم وطن ادارۂ و مخصوص زبخت سیہ ام
مشعلِ تیرگئ شامِ غریباں مددے

کرمِ گلشن بغداد کی دکھلا دے بہار ابر رحمت جو اٹھے جھوم کے گاؤں ملہار
اہل دل کیلئے نغمے ہوں مرے وجہ قرار بلبلِ نغمہ سرائے توام اے رشک بہار
موجب رونقِ ایں گلشن امکاں مددے

ایک اشارے سے مہک اٹھا یہ گلشن سارا ورنہ جینے کا بھی مجھ کو تو نہیں تھا یارا
پسِ مُردن بھی زباں پر یہی ہو گا نعرہ انتظارِ کرمِ تست بہ محشر مارا
اے خدا جو و خدا بین و خدا داں مددے

تو اگر چاہے تو پتھر کو بنا دے ہیرا جس کی تابانی سے دنیا کی نظر ہو خیرہ
تو نے چاہا تو منور ہوا قلب تیرہ انتظارِ کرم تست منِ عاصی را
اے خدا جو و خدا بین و خدا داں مددے

☆☆☆

سُنّی اَم مَن نعرۂ اللہُ اکبر می زنم

اے مسلمانو اٹھو دین کی حمایت کیلئے
کوششیں می زنم دل سے کرو مذہب ملت کیلئے
کوشش کفار ہے دین کی اہانت کیلئے
غوثِ اعظم کو پکارو تم اعانت کیلئے
سنی ام من نعرہ اللہ اکبر می زنم
دم ز بوبکر عمر عثمان و حیدری زنم
قادریم نعرۂ یا غوثِ اعظم می زنم
دم ز شیخ احمد رضا خاں قطب عالم می زنم
مصطفیٰ کی بھولی بھیڑو بھیڑیوں سے تم بچو
جو کریں توہین اللہ و نبی کی دوستو!
اپنے ایماں کی حفاظت انکے حملوں سے کرو
غوثِ اعظم ہیں مدد پران کا دامن تھام لو
سُنّی اَم مَن نعرۂ اللہُ اکبر می زنم
فرض ہے پہلے عقائد کی درستی مومنو
پھر کرو کوشش نمازوں کیلئے اے دوستو!
مصطفیٰ کے دین پر ثابت قدم گر تم رہو
اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ قولِ حق ہے غالب سب پہ ہو
سنی ام من نعرۂ اللہ اکبر می زنم
مومنو رب ہے تمہارا خالقِ ارض و سما
سنیو آقا تمہارے ہیں محمد مصطفیٰ
قادریو تم کو مژدہ سر پہ ہیں غوث الوریٰ
رضویہ خوش ہو کہ حامی ہیں شہِ احمد رضا
سُنّی اَم مَن نعرۂ اللہُ اکبر می زنم
محفلِ میلادِ اقدس مستحب ہے اور ثواب
جو مسلماں اسمیں آئے بخشا جائے بے حساب
شرک ٹھہراتا ہے اس کو نجدیٔ خانہ خراب
سنیو نجدی سے رکھو احتراز و اجتناب
سُنّی اَم مَن نعرۂ اللہُ اکبر می زنم
اے عبیدِ قادری محشر سے تجھ کو خوف کیا
جب شفاعت کرنے والے ہیں حبیبِ کبریا
دو جہاں میں سر پہ ہے سایہ جنابِ غوث کا
نزع و محشر میں حفاظت کرنے والے ہیں رضا
سُنّی اَم مَن نعرۂ اللہُ اکبر می زنم

کیلنڈر 2017

JANUARY

Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa	Su
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30	31					

FEBRUARY

Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa	Su
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28					

MARCH

Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa	Su
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30	31		

APRIL

Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa	Su
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30

MAY

Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa	Su
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30	31				

JUNE

Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa	Su
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30		

JULY

Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa	Su
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30
31						

AUGUST

Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa	Su
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30	31			

SEPTEMBER

Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa	Su
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	

OCTOBER

Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa	Su
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30	31					

NOVEMBER

Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa	Su
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30			

DECEMBER

Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa	Su
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	31